آپ تقریر کیسے کریں

حصہ دوم



جمیل احمد نذیری

ناشر
مکتبہ نعیمیہ
صدر بازار مئو۔ فون ۲۲۰۶۸۱

(1) BVP-988-14/12/16

(6)-906 1/15

إِنَّ
مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

آپ! تقریر کیسے کریں؟

حصہ دوم

مرتب

جمیل نذیری

ناشر
مکتبہ نعیمیہ صدر بازار مئوناتھ بھنجن یو۔پی

افضل نعیمی پریس مئو

معروضات

- ہماری تجارت تھوڑے نفع اور زیادہ سے زیادہ بکری پر منحصر ہے۔
- دینی کتابوں کی مناسب قیمت۔
- دنیا کے ساتھ دین کی خدمت اور خیالِ آخرت۔
- کاروبار میں صفائی اور حسنِ معاملت۔
- انھیں چند اصولوں میں ہماری تجارت قائم۔

آزمائش بہترین کسوٹی ہے۔
ایک بار آرڈر دے کر آزمائش فرمائیں۔
انشاءاللہ آپ ہمیں دیانتدار اور فہیم پائیں گے۔

ہمارے یہاں سے

درسی و غیر درسی کتابیں خصوصاً حضرت شاہ مولانا وصی اللہ صاحب وحضرت تھانوی رحمہما اللہ نیز پارے، قاعدے، قرآن مجید حمائلین معریٰ مترجم عمدہ وارزاں طلب فرمائیں۔

مکتبہ نعیمیہ صدر بازار مئوناتھ بھنجن یو۔پی

فہرست مضامین

آپ تقریر کیسے کریں؟

حصہ دوم

انتساب

علماء کی نئی نسل کے نام

جمیل احمد نذیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی باتیں

ہندو پاک میں عربی مکاتب ومدارس میں عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مبتدی طلبہ کیلئے درسی کتابوں کی طرح تقریر کا ایک ایسا سیٹ تیار کردیا جائے جو مرحلہ وار عزیز طلبہ کیلئے کارآمد ہو، چند سال پہلے میں نے اسکا تجربہ کیا آپ تقریر کیسے کریں ... ؟ کا پہلا حصہ شائع ہوا، توقع کے مطابق وہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پسند کیا گیا، اور ہر طرف سے اس کے دوسرے اور تیسرے حصہ کی مانگ شروع ہوئی، اس زمانے میں میری مصروفیات اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ دوسرے حصہ کے لئے کوشش کے باوجود وقت نہ نکال سکا، اصرار ہوتا رہا خطوط آتے رہے چنانچہ میرے رفیق کار مولانا جمیل احمد نذیری فاضل دیوبند کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے اس کا کچھ نہ کچھ احساس تو مجھے بھی ہوا، یہی وجہ ہے کہ آپ تقریر کیسے کریں .....؟ حصہ اول کا تیسرا ایڈیشن[1] طبع کرنے کے بعد میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کے دوسرے حصہ کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کردوں، کیونکہ اسوقت اس حصے کی بھی تقریباً اتنی ہی

[1] یہ چھٹا ایڈیشن ہے ۔

مانگ ہے جتنی پہلے حصے کی ہے

مزید مسرت کی بات ہے کہ فاضل مرتب نے اس حصہ میں کافی ترمیم اور اضافہ بھی کیا ہے جس سے اس کی افادیت کافی بڑھ گئی ہے۔ چونکہ وہ تصنیف وتالیف کے ساتھ درس وتدریس کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں اور ان کا اٹھنا بیٹھنا زیادہ تر اپنے شاگردوں میں ہی رہتا ہے، بلکہ عموماً وہ عزیز طلبہ کے تقریری پروگرام کی نگرانی بھی کرتے رہتے ہیں، اس لئے اب انہیں طلبہ کی نفسیات کا تجربہ اس حد تک ہو گیا ہے کہ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اب وہ صحیح معنوں میں اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ وہ اس طرز کی کتابیں ترتیب دیں، قارئین کا اصرار اس کتاب کے تیسرے حصے کیلئے بڑھتا جارہا ہے، اگر توفیق الٰہی شامل رہی، تو یہ حصہ احقر کے قلم سے مرتب ہو کر شائع ہوگا۔

نجم الدین احیائی

۸ار جنوری ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہار خیال

زبان وقلم ہی دو ایسے ذریعے ہیں جن سے انسان اپنی بات دوسروں تک پہونچا سکتا ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج کے دور میں ان کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی ہے، دنیا کی کوئی بھی تحریک اور کوئی بھی دعوت ان کے بغیر فروغ نہیں پاسکتی، اسلام بھی ایک دعوت ہے۔ اور مسلمان اس کے علمبردار ہیں دوسروں تک اسلام کا پیغام پہونچانے کیلئے زبان وقلم کا استعمال ضروری ہے اس کے بعد ہی ہم اس پیغام کو صحیح اور واضح طور سے لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں گے۔

جو لوگ طالب علمی کی منزل سے گذر کر داعی کی حیثیت سے ابھر چکے ہیں ان کے متعلق کچھ کہنا نہیں ہے۔ اصل سوال امت مسلمہ کی اس نئی نسل اور نئی پود کا ہے جو ابھی مدارس میں زیر تعلیم ہے، اور مستقبل میں جس کے کندھوں پر امت کا بار آنے والا ہے۔ اسے صحیح تعلیم وتربیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ اس نئی پود کو دین کی تبلیغ کے ان معروف

طریقوں سے واقف کرایا جائے تاکہ وہ امت کا ایک متحرک عضو ثابت ہوں۔

پیش نظر کتاب اسلامی مدارس کی اسی نئی پود کیلئے ترتیب دی گئی ہے اس کا مقصد تقریری میدان میں ان کی خوابیدہ اور مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے، تحریر وانشاء کے سلسلے میں اگر ممکن ہوتو آئندہ قلم اٹھایا جائے گا، اس موضوع سے متعلق اور بھی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ ابھی کسی اعتذار کے بغیر اس موضوع پر اٹھانے کی گنجائش ہے، کوشش یہ کی گئی ہے کہ طلباء کے میلان رجحان اور مزاج کی پوری رعایت رکھی جائے، یہ قارئین ہی بتا سکتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔

اس سلسلے کی پہلی کتاب کے مرتب مخدوم ومحترم مولانا نجم الدین صاحب احیائی کی رائے، مشورہ اور رہنمائی میں اس کا دوسرا حصہ آپ کے سامنے ہے، یہ حصہ بھی پہلے حصے کے طرز پر ہے، البتہ معیار کچھ بلند رکھا گیا ہے "تقریر کیسے کریں؟ کے تحت ایک مضمون شامل اشاعت ہے اس مضمون میں تقریر سیکھنے والوں کے لئے مفید مشورے اور کام کی چیزیں آگئی ہیں کتاب کے آخر میں "مطالعہ" روح کی غذا کے عنوان سے راقم ہی کا ایک اور مضمون شامل ہے تاکہ طلباء کے سامنے مطالعہ کی اہمیت وافادیت واضح ہو جائے، آپ تقریر کیسے کریں"۔ ہ کے دونوں حصوں میں بطور خاص جس چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ کہ تقریر کا خطبہ الگ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مدارس اسلامیہ کے طلباء امت مسلمہ کی امانت

اور امت کی جیتی جاگتی آرزوئیں ہیں، اسلام کا مستقبل ان کے دم سے قائم اور ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں، ان کو بہت جلد میدان عمل میں اترنا ہے، دنیا کی نگاہیں ان کی سمت مرکوز اور ان کی جانب نگراں ہیں، انہیں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے، اور توقع ہے بھی کہ وہ آئندہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے فیض کو دوسروں تک پہونچا سکیں گے۔

اسلام حق و صداقت کی آواز ہے، اس آواز کا دنیا کے گوشے گوشے میں پہونچنا ضروری ہے، امت مسلمہ کا نصب العین بھی یہی ہے کہ وہ خود بھی اسلامی تعلیمات کا مرقع ہو، اور ساتھ ہی اس کی طرف ساری دنیا کو دعوت دے، دنیا میں جتنے انبیاء اور رسول آئے سب کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا، سب نے اللہ کا کلمہ دنیا میں بلند کیا خدا پرستی کی دعوت دی، انسانوں کو حقیقی اور برحق معبود کی طرف بلایا صحیح اور سیدھے راستے کیطرف رہنمائی کی، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد دین کی تکمیل ہوگئی، نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہوگیا، اب قیامت تک کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں ہے، اب پیغمبروں اور رسولوں کی ذمہ داری امت مسلمہ کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کی پابند ہے کہ اسلام کا کلمہ لوگوں کے سامنے پیش کرے، انسانوں کو اس کیطرف بلائے اور تبلیغ دین کا وہ فریضہ انجام دے جو اللہ کے مقدس اور برگزیدہ انبیاء و رسلؑ انجام دیتے رہے ہیں، قرآن میں امت مسلمہ کو "خیر امت" کے لقب سے یاد کرنے کی وجہ یہ بتائی

گئی ہے کہ "وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں" یوں تو اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام پوری امت کا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ علماء امت کی ذمہ داریاں سب سے زیادہ ہیں۔

امت مسلمہ اور بالخصوص علماء امت کے اوپر تبلیغ دین کی جو بھاری ذمہ داریاں ہیں یہ وہ بلند پایہ ذمہ داریاں ہیں جو انبیاء و رسل انجام دیتے تھے یہ وہ اعلیٰ مشن ہے جو امت اور علماء امت کو دوسری اقوام و ملل کے مقابلے میں ایک ممتاز اور جداگانہ حیثیت کا حامل قرار دیتا ہے، تو جوان علماء ہمارے سب سے زیادہ مخاطب ہیں، ان کے ہاتھ میں امت کا مستقبل ہے، وہی کفر و شرک کی آندھیوں، مادہ پرستانہ ماحول، مذہب بیزار دنیا میں اسلام کی شمع روشن رکھ سکتے ہیں، وہی کفر و ضلالت کی طلاطم خیز موجوں میں اسلامی سفینہ کی حفاظت کر سکتے ہیں، وہی اسے ساحلِ سکون سے ہمکنار کر سکتے ہیں، وہ احساس کمتری کے صحرا سے اپنے آپ کو نکالیں، اور دیکھیں کہ دنیا انہیں اپنی اصلاح کے لئے پکار رہی ہے اور وہ سوچ رہے ہیں، کہ زبان کیسے کھولیں، اب انہیں اٹھ جانا چاہئے اور ایک جہان تازہ کی بنیاد ڈالنے کیلئے وقت کے موجودہ ہتھیاروں (تحریر و تقریر) سے مسلح ہو کر میدان عمل میں اتر جانا چاہیئے۔

کچھ دوسرے ایڈیشن کے متعلق

دسمبر ۱۹۷۶ء میں کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا خدا کا بے

پایاں شکر و احسان ہے کہ اس نے اس ناچیز کی پہلی تصنیفی کوشش کو مقبولیت بخشی، مختلف رسائل و جرائد نے حوصلہ افزا تبصرے کیئے اور سراہا، سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ کتاب جس نسل کیلئے لکھی گئی تھی یعنی مدارس کے طلبہ انہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، ظاہر ہے کہ یہ چیز مصنف کیلئے خوشی اور مسرت ہے کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔

یہ دوسرا ایڈیشن حذف و اضافہ اور نظر ثانی کے بعد پیش خدمت ہے انشاء اللہ پہلے ایڈیشن کی بہ نسبت یہ دوسرا ایڈیشن زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوگا۔

جمیل احمد نذیری

دارالعلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ ، ۲۶ محرم الحرام ۱۳۹۹ سنہ ہجری

تقریر کیسے کریں؟

موجودہ زمانے میں ہی نہیں، بلکہ تقریباً ہر زمانہ میں تقریر وخطابت کو جو اہمیت حاصل رہی ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں، ہر شخص اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے مگر یہ سوال ہیکہ تقریر کیسے سیکھی جائے، اور فن تقریر میں کسطرح ملکہ پیدا کیا جائے؟ یہ سوال ہر اس شخص کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جو تقریر کے میدان میں قدم رکھ رہا ہو اسکا دو ٹوک جواب دیدنا آسان نہیں، البتہ اس سلسلے میں مشورے اور رہنما اصول وضع کئے گئے ہیں۔ جن سے تقریر سیکھنے والا مدد حاصل کر سکتا ہے، اگلی سطور میں ہم تقریر کیسے کریں سلسلے میں ہم چند رہنما اصول بیان کر رہے ہیں، طالب علموں کو اسکا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

تین مرحلے

تقریری میدان میں جو لوگ قدم رکھتے ہیں انہیں تین درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) وہ لوگ جو بالکل مبتدی ہیں۔

(۲) وہ لوگ جو کچھ کچھ بولنا سیکھ گئے ہیں۔

(۳) وہ لوگ جو اپنے مافی الضمیر کو بخوبی ادا کر لیتے ہیں۔

اب آپ خود سمجھ لیجئے کہ آپ کس مرحلہ میں ہیں، تاکہ ہر مرحلہ کے اعتبار سے جو مشورے اور اصول بیان کئے جائیں۔ ان کے سمجھنے میں آسانی اور سہولت ہو،

اوّلاً جو چیز تینوں مرحلوں سے تعلق رکھتی ہے وہ ہے موضوع اور عنوان کا متعین کرنا، پھر اس کے مؤیدات کی ترتیب، عنوان اور موضوع متعین کرنے کا مطلب یہ ھیکہ پہلے آپ یہ غور کریں اور سوچیں کہ آپ کو لوگوں کے سامنے کہنا کیا ہے؟ اور آپ لوگوں کو کیا بتانا چاہتے ہیں یہی چیز تقریر کی جان اور تقریر کی بنیادی اینٹ ہے اگر تقریر کرنے والا اسی کا خیال نہ رکھے تو خواہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالے، اسکی محنت رائیگاں ہی جائیگی، نہ لوگ اسکی بات پر زیادہ دھیان دیں گے، نہ اس کی تقریر مؤثر ہو گی عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ پہلے اور دوسرے تو کیا تیسرے مرحلے سے تعلق رکھنے والے بھی اس میں تساہل برت جاتے ہیں، حالانکہ یہی تقریر کی جان ہے۔

موضوع متعین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سرکار دو عالم پر وحی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ یا سرکار نے ھجرت کیسے فرمائی؟ یا حضور کو اور صحابۂ کرامؓ کو دین اسلام پھیلانے میں کس قدر مشقتیں اٹھانی پڑیں، یا دین اسلام حق ہے۔ وغیرہ وغیرہ، تو پہلے انہیں موضوعات میں سے کوئی منتخب کر کے یہ طے کر لیجئے کہ جو کچھ کہونگا اسی سے متعلق، اگر کسی مناسبت

کی وجہ سے کوئی اور موضوع چھڑ جائے تو بھی اسے بیان کر کے پھر اصل موضوع پر آجائیے، اس کیلئے مقررین کے الفاظ کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں " ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا" " تو بات یہ چل رہی تھی" وغیرہ۔

اسکے بعد موضوع اور عنوان سے متعلق مؤیدات جمع کیجئے، یعنی اس کے موافق آیات قرآنی، احادیث نبوی، آثار صحابہؓ اور آثار سلف موثر و اصلاحی و واقعات، ترتیب کوئی ضروری نہیں، احادیث و آیات وغیرہ میں جو موقع کے مناسب ہوں ذکر کئے جائیں، تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

پہلا مرحلہ

پہلے مرحلے میں قدم رکھنے والے کیلئے مناسب ٹھیک اس نے جس موضوع کو متعین کیا ہے اسے کتاب یا کاپی سے رٹ کر اور زبانی یاد کر کے پیش کرے بہت ممکن ٹھیک جب وہ پہلی مرتبہ کھڑا ہو، تو وہ کانپنے لگے۔ صحیح طور سے الفاظ بھی اس کی زبان سے نہ نکل سکیں، اور وہ گھبرا جائے، لیکن اس کو چاہیے کہ ہمت نہ ہارے، اور کوشش برابر جاری رکھے، اگر پہلی بار اس نے دو منٹ تقریر کی ہے تو دوسری بار تین منٹ اور تیسری بار پانچ منٹ تقریر کر سکے گا۔ اور پھر ایک دن وہ مشق و تمرین کے ذریعہ بڑا مقرر ہو جائے گا۔ وہ حضرات جن کو دنیا مقررین کے نام سے جانتی ہے، وہ بھی جب پہلی مرتبہ تقریر کرنے کھڑے

ہوئے تھے تو تھر تھر کانپ رہے تھے ، لہٰذا مبتدی کو ان سب باتوں سے گھبرانا نہیں چاہیے اور نہ ہمت ہارنا چاہئیے ۔

دوسرا مرحلہ

اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے ، اس مرحلہ میں مقرر کو دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ۔ اول یہ کہ وہ ایسی ہمت اور دلیری اور جوش وخروش کے ساتھ تقریر کرے کہ سامعین کو پتہ نہ چل سکے کہ وہ رٹ کر بول رہا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھے ، کہ جس مضمون کو پیش کر رہا ہے اس سے کیا سبق ملتا ہے اور ہمیں اس کے مطابق کیا کرنا چاہئیے ۔ اس میں اپنے ذہن کو کھپائیے ، اور سوچ سمجھ کر نتیجہ نکالے ، پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب دلائے ۔

تیسرا مرحلہ

اب تیسرا مرحلہ کا نمبر ہے ، اس مرحلہ میں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ جو بھی مضمون پیش کیا جائے اسے بہت واضح اور کھلے انداز میں پیش کیا جائے زبان میں سلاست وشیرینی ہو ،

جو بات کہو صاف ہو ستھری ہو بھلی ہو
کڑوی نہ ہو ، کھٹی نہ ہو ، مصری کی ڈلی ہو

الفاظ کی عمدگی اور خوبصورتی کا خاص خیال رکھئے۔ یوں سمجھئے کہ اگر آپ کے یہاں کوئی مہمان آجائے، اور گرمی کا موسم ہو، گرمی بھی مئی جون کی، تو آپ اپنے مہمان کیلئے شربت کا انتظام کریں گے، اور پھر اسے شیشہ کے عمدہ گلاس میں پیش کریں گے۔ اسی طرح آپ جس مضمون کو پیش کرنا چاہتے ہیں اسکے معانی و مطالب کو شربت سمجھئے، اور الفاظ کو گلاس، لہٰذا الفاظ میں بھی عمدگی اور خوبصورتی پیدا ہونی چاہئیے۔ علامہ اقبال کی کلیات اور حفیظ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام اور دیگر اسلام پسند شاعروں کے اچھے اچھے اشعار یاد کر لیجئے، اور مناسب موقعوں پر انہیں دوران تقریر پڑھئے اس سے تقریر میں زور پیدا ہوگا، اور خطابت میں روانی آئے گی، سننے والوں پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے مختلف دینی موضوعات پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ خوب کیا کیجئے، اور اسے اپنے ذہن میں محفوظ رکھئے، تاکہ موقع آنے پر اسے بیان کر سکیں۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرنی ہے جس کا تعلق تینوں مرحلوں سے ہے، وہ ہے مشق و تمرین، مشق کا مطلب یہ ھیکہ آپ نے جس موضوع کو منتخب کیا ہے اسے اچھی طرح زبانی یاد کر لینے یا اپنے ذہن میں اچھی طرح محفوظ کر لینے کے بعد کسی خالی کمرہ یا مکان میں کھڑے ہو جائیے۔ یا آبادی سے باہر باغات وغیرہ میں جاکر اپنے مضمون کو دہرائیے، اس کیلئے اپنے دل و دماغ نہیں بلکہ زبان کی قوت سے کام لیجئے، ہاتھوں کی حرکات و سکنات اور لب و لہجہ سے یوں ظاہر کیجئے، کہ آپ ایک مجمع عام کے سامنے تقریر کر رہے ہیں اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ بلا خوف و خطر کسی بھی بڑے سے بڑے مجمع میں تقریر کر سکیں گے۔

توحید

الحمدللہ الذی تبارکت اسماءہٗ وتعالت صفاتہٗ والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین اما بعد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن الکریم۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔ ط (سورہ انبیاء رکوع ۲)

صدر محترم! حاضرین جلسہ!

آپ دنیا کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے، دنیا میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی اکثریت ملے گی، جو خدا کے قائل تھے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا، اس نظام عالم کا چلانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے یہ اور بات ھیکہ بہت سے خداؤں کو مان لیا گیا اور ان کی پرستش و پوجا شروع کردی گئی، مگر جہاں تک خدا کی ذات کے ماننے کا سوال ہے سبھی اسے تسلیم کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی تعلیم میں وحدانیت کی تعلیم زیادہ دی گئی ہے اور خدا کی ہستی کو منوانے پر زور کم دیا گیا ہے مگر بیوقوفوں سے یہ دنیا خالی نہیں

رہی، آج بھی دنیا میں ایسے احمق مل جاتے ہیں، جو بظاہر پڑھے لکھے ہوتے ہیں لیکن باتیں ایسی کرتے ہیں جن کی توقع کسی پاگل یا دیوانے سے ہی کی جا سکتی ہے، میری مراد ان احمقوں سے وہ ہیں جنہیں ملحد یا دہریہ کہا جاتا ہے، یہ لوگ سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ خدا کا وجود ثابت کرنے کیلئے دنیا کا یہ سارا کارخانہ کافی ہے، کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

دنیا میں اَن گنت چیزیں موجود ہیں جنکا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اور ہر روز ہی کچھ نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر کام اپنے وقت پر ہو رہا ہے ہر صبح سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور شام کو مغرب میں ڈوب جاتا ہے، رات آتی ہے ستارے نکلتے ہیں، چاند اپنی آب و تاب کے ساتھ آسمان پر جلوہ گر ہوتا ہے چاندنی پھیل جاتی ہے، پھر دن آتا ہے اور سورج اپنی کرنیں زمین پر بکھیر دیتا ہے، یہ سارا نظام اتنے نظم و ضبط کے ساتھ چل رہا ہے کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، اب تھوڑی سمجھ رکھنے والا کوئی بھی آدمی اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لے تو اسے انہیں روزمرہ کے مشاہدات میں خدا کی ہستی اور وجود کے جلوے نظر آئیں۔ اور خدا کی ہستی کی نشانیاں ملیں۔ اور پھر اسے کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہ رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ ساری کائنات اور اسکا سارا نظم و انتظام بغیر کسی منتظم اور چلانے والے کے کیسے چل سکتا ہے، جب کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کو تیار کرنے اور بنانے کیلئے بنانے والے اور تیار کرنے والے کی ضرورت پڑتی ہے، نہ تو کمہار کا مٹی کا پیالہ

خود سے بن پاتا ہے، اور نہ بڑی بڑی دیو ہیکل مشینیں۔ ان سب چیزوں کے بنانے چلانے کیلئے بنانے والوں کی ضرورت پڑتی ہے، تو یہ کارخانۂ عالم خود بخود کیسے وجود میں آسکتا ہے اور وجود میں آنے کے بعد بغیر کسی منتظم کے اسکا نظام کیسے چل سکتا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔

"وبلاشبہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات و دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور ان کشتیوں میں جو انسان کے کام کی چیزیں لے کر دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں اور ایسی بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے زمین کو زندگی بخشتا ہے بعد اسکے کہ وہ مردہ ہو چکی تھی اور اس کے ذریعہ ہر قسم کے جاندار زمین کی وسعت میں پھیلا دیتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان مسخر رہتے ہیں عقل سے کام لینے والوں کیلئے کھلی نشانیاں ہیں۔"

حقیقت یہ ہیکہ چشم بینا کے لئے دنیا کی یہ نیرنگیاں اور قدرت کے اس کارخانہ میں خدا کے وجود کی نشانیاں بے شمار ہیں، انسان کی پوری زندگی، صبح وشام کا آنا جانا، رات ودن کا تغیر، سبھی سے خدا کی قدرت اور اس کے جلوے آشکار ہیں، لیکن کوئی اپنی آنکھیں موند لے، تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نظر نہیں آسکتا۔

ایک بار ایک عرب سے کسی نے پوچھا تھا کہ خدا کے وجود پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے، اس نے جواب دیا، اونٹ کی مینگنی دلالت کرتی ہے اونٹ کے گزرنے پر اقدام کے نشانات بتاتے ہیں کسی چلنے والے کے وجود کو، تو کیا یہ برجوں والا آسمان یہ موج زن دریا وسمندر، یہ بلند وبالا پہاڑ، یہ چمکتے ہوئے ستارے، یہ رات اور دن کا آنا جانا، خدا کے وجود پر دلالت نہیں کرتے، کسی صانع اور بنانے والے کو نہیں بتاتے، امام مالکؒ سے ایک بار پوچھا گیا کہ خدا کی ہستی پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے، انہوں نے کہا "دنیا کے اندر مختلف قوموں اور فرقوں کا آباد ہونا، مختلف زبانوں اور مختلف بولیاں بولنے والوں کا پایا جانا خدا کے وجود کی دلیل ہے۔"

امام شافعیؒ نے توت کے پتوں سے خدا کی ہستی کو ثابت کیا ہے۔ توت کا پتہ جس کا رنگ، مزہ اور شکل وصورت سب ایک ہے۔ لیکن اسی کو اگر ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو ریشم بنتا ہے، اور شہد کی مکھی چوستی ہے تو شہد وجود میں آتا ہے۔ بکریاں اور گائے بیل کھائیں تو مینگنی اور گوبر بن جاتا ہے ہرن اسی کو چرتے ہیں تو مشک بنجاتا ہے۔ چیز ایک ہے مگر مختلف حالات میں مختلف

خصوصیات ظاہر ہو رہی ہیں یہ کس کی کاریگری ہے خدا کے علاوہ، وہ کون ہستی ہے جس نے یہ خوبیاں اور صفات توت کے ایک معمول پتے میں پیدا کر دی ہیں۔

ایک مسلمان جب کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے۔ کہ میں اس خدا کی عبادت اور پرستش کرونگا، جو اکیلا ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تنہا وہی عبادت کے لائق ہے، اسکا کوئی شریک اور ساجھی نہیں قرآن کے اندر ارشاد باری ہے۔

الٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھوالرحمٰن الرحیم (بقرہ)	"تمہارا معبود ایک ہے، وہی اللہ جو رحم و کرم والا ہے"

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (انبیاء)	"اگر آسمانوں زمین میں ایک اللہ کے علاوہ کئی اور معبود ہوتے، تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا"

ہم دیکھتے ہیں کہ جب سے یہ دنیا قائم ہے، آجتک اسکا نظام اس خوبی سے چل رہا ہے کہ اس میں خرابی کا شائبہ تک نہیں پیدا ہوا۔ سورج روزانہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے، اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نظام شمسی کے اندر کسی قسم کا خلل پیدا ہوا ہو، کائنات کا سارا نظم و ضبط ان بندھے ٹکے اصولوں کے مطابق چل رہا ہے کہ آجتک اس میں کبھی بھی کسی طرح کی

گڑبڑی پیدا نہیں ہوئی، اس بات سے صاف پتہ چلتا ہیکہ دنیا کا پیدا کرنے والا ایک ہے، اگر کئی خدا ہوتے تو دنیا کا نظام ہرگز نہیں چل سکتا تھا، یہ کب کا ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکا تھا۔ دنیا کے اندر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ملک کے دو صدر یا دو وزیر اعظم نہیں ہوتے کسی صوبے کے دو گورنر یا دو وزیر اعلیٰ نہیں ہوتے، کسی مدرسہ کے دو مہتمم نہیں ہوتے، جب بھی اس قسم کی کوشش کی گئی، تو نظام حکومت نہیں چل پایا، کیونکہ ہر ایک با اختیار ہوتا، اور ہر ایک اپنا حکم چلانا چاہتا، لہٰذا دونوں کے اختلاف کی وجہ سے سارا نظام بگڑ کر رہ جاتا، اگر دنیا کے اندر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو کبھی کوئی خدا کچھ کہتا تو دوسرا اس کے برخلاف کچھ اور، اور تیسرا کچھ اور، اس اختلاف کے نتیجے میں کائنات کا نظم درست نہیں رہ پاتا اور ساری کائنات ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو جاتی، لیکن ہمارا مشاہدہ ہیکہ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے، نظام کائنات بالکل درست اور ٹھیک طریقے پر چل رہا ہے، کبھی اس میں خرابی پیدا نہیں ہوئی، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ خدا ایک ہے۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

نماز

الحمد للّٰہ الذی ھدانا الی الصراط المستقیم والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامین وعلیٰ الہ الطاھرین واصحابہ الکاملین اما بعد قال اللّٰہ تعالیٰ فی القران الکریم اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم واقیموا الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفاً من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات ذالک ذکریٰ للذٰکرین (پ۱۲ سورہ ہود)

محترم سامعین کرام! حاضرینِ جلسہ!

آج کے اس جلسہ میں میں اسلام کی ایک اہم عبادت نماز کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اسلامی عبادات کے اندر نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے، نماز پڑھنے والوں کیلئے بڑے بڑے ثواب قرآن وحدیث کے اندر آئے ہیں، اور جو لوگ نماز کی پابندی نہیں کرتے، اس کی طرف دھیان نہیں دیتے، نماز سے لاپرواہی برتتے ہیں اور بغیر کسی معقول عذر کے نماز جیسی عبادت کو ترک کر دیتے ہیں، ان کے حق میں بڑی وعیدیں آئی ہیں، نماز کو دین کا ستون اور دین کا کھمبا قرار دیا گیا ہے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الصلوٰۃ عماد الدین
فمن اقامھا اقام الدین
ومن ھدمھا ھدم الدین

"نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کے ستون کو قائم رکھا۔ اور جس نے نماز کو قائم نہ کیا اس نے دین کی بنیاد کو منہدم کر دیا"

مکانوں اور عمارتوں میں ستون اور کھمبے کو کیا اہمیت حاصل ہوتی ہے یہ ہر شخص جانتا ہے، اگر کسی عمارت کی دیوار گرا دی جائے، یا ستون منہدم کر دیا جائے تو کیا وہ عمارت برقرار رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، اسی طرح اگر نماز کی طرف توجہ نہ دی جائے نماز کی پابندی نہ کی جائے، تو دین کی عمارت صحیح وسالم نہیں رہ سکتی اس کی عمارت منہدم ہو جائے گی، گر پڑے گی۔

موجودہ دور میں جس طرح دیگر عبادتوں سے روگردانی عام ہوتی جارہی ہے اسی طریقے سے نماز بھی لوگوں کی رغبت ختم ہوگئی ہے، حالانکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جو بندوں کو خدا سے قریب کر دیتی ہے، نماز کو مومنین کی معراج بتایا گیا ہے، نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر محبوب عبادت تھی، اس کا اندازا اس حدیث سے ہوتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، وہ اچھا کام نہیں کرتے، ایسے لوگ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذار سانی کا سبب بنتے ہیں، کون ایسا بدنصیب مسلمان ہے جو دانستہ اور جان بوجھ کر

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوتکلیف پہونچانے اورایذارسانی کاتصوربھی کرسکے، مگر افسوس کی بات ہے کہ نماز کوترک کرکے آج مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کوایذاپہونچارہی ہے، ایک حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا چلتا کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہوگا، کہ تم نے نماز کی پابندی کی یانہیں، نماز کوقائم کیایانہیں ۔"

میں نے خطبہ میں جوآیت تلاوت کی تھی اس کاترجمہ یہ ہے "اوردن کے دونوں کناروں میں نماز کی عادت ڈالو، اوررات کے ٹکڑوں میں، بیشک نیکیاں برائیوں کودورکردیتی ہیں، یہ نصیحت ماننے والوں کیلئے میری یاد ہے" اس آیت سے معلوم ہوتا ہےکہ اگرنماز کی پورے خشوع وخضوع کے ساتھ پابندی کی جائے اور دل لگاکر پڑھی جائے، تونماز ایسی نیکی اورایسا عمل ہے جس کے نتیجے میں نماز پڑھنے والے انسان سے بہت سی خرابیاں اوربرائیاں دورہوجائیں گی قرآن ہی میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے۔

ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر (عنکوت) " بیشک نماز برائیوں اورغلط کاموں سے روک دیتی ہے۔"

کلمۂ طیبہ پڑھ لینے کے بعد بندہ اپنے رب سے یہ اقرار کرتا ہے کہ اب تک وہ خدا کے حکموں سے آزاد تھا مگروہ خدا کے احکام کاتابعدار بن گیا ہے، کلمۂ طیبہ کااقرار اس بات کااقرار ہوتا ہے کہ میری زندگی کاایک ایک

لمحہ خدا کی یاد میں بسر ہوگا، خدا کے حکموں کی تعمیل میرا مقصد حیات ہوگا، خدا کے حکموں کی ہر وقت اور ہر آن بجا آوری میرا فریضۂ زندگی ہوگا، اب اس اقرار کے بعد اگر کوئی شخص نماز جیسے اہم فریضہ سے روگردانی کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کلمۂ طیبہ کے تقاضوں پر پورے طور پر عمل نہیں کر رہا ہے، اس اقرار کی پابندی نہیں کی جو اس نے کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے بعد اپنے معبود حقیقی سے کیا تھا، خدا نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ رات و دن میں پانچ وقت خدا کے حضور میں سر بسجود ہوکر اس کی عظمت اور کبریائی کے گن گائے اور اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرکے ہر معاملہ میں اس کی مدد کا خواہاں ہو، مگر نماز کا ترک کرنے والا کھلے طور سے خدا کے حکم کی بغاوت اور سرکشی کا مظاہرہ کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے، آپؐ نے فرمایا۔

لکل شیٔ علم وعلم الایمان الصلوٰۃ — " ہر چیز کی ایک نشانی ہوتی ہے ایمان کی نشانی نماز ہے "

قرآن شریف میں ہے

اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین — " نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ بنو "

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب

کوئی مشکل پیش آتی ، یا کوئی غم ہوتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے ، لہٰذا جب تم کو کوئی مصیبت اور حادثہ پیش آئے ۔ تو تم بھی نماز میں مشغول ہو جایا کرو ، کیونکہ نماز پریشانیوں اور دکھ درد کو دور کر دیتی ہے قرآن میں مسلمانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہا کریں ، ارشاد ربانی ہے :

یاایہاالذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (بقرہ پ۲)	"اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہا کرو ۔"

نماز کا کس قدر ثواب ہے اور نماز کس قدر فضیلت رکھتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے ایک بار حضورؐ نے فرمایا " اگر تم میں سے کسی شخص کے گھر کے سامنے ایک نہر ہو ، اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس نہر میں غسل کرتا ہو ، تو کیا اس کے بدن پر میل کچیل باقی رہ جائے گا ، ؟ لوگوں نے جواب دیا ، اے اللہ کے رسول ہرگز نہیں ، آپ نے فرمایا ، روزانہ پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھنے والے کی یہی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کی بدولت گناہوں کی گندگیوں کو دور کر دیتا ہے ۔

مسلمانوں کو صرف اسی بات کی تاکید نہیں گئی ہے کہ وہ نماز پڑھیں بلکہ نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ بھی ادا کرنا ضروری ہے ، ارشاد باری ہے ۔

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون (سورہ مومنون پ۱۸)	"کامیاب و بامراد ہیں وہ ایمان والے جو اپنی نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں ۔"

اسلام کے جو پانچ بنیادی ارکان ہیں ان میں کلمۂ طیبہ کے اقرار کے بعد نماز ہی کا درجہ ہے، نماز ایسی عبادت ہے جو کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتی، تندرستی کی حالت ہو یا بیماری کی، عورت ہو یا مرد، ہر ایک پر نماز فرض ہے ماں باپ کی یہ ذمہ داری ہیکہ وہ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز پڑھنے کو کہیں، اور دس سال کی عمر ہو جانے پر نماز چھوڑنے پر ماریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرا جی چاہتا ہے ان کے گھر ونکو جلا دوں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، اور گھروں میں پڑے رہتے ہیں، اگر ان کے بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں یہ ضرور کر گذرتا، بہر حال قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کریمہ سے نماز کی بڑی فضیلت اور اہمیت ثابت ہوتی ہے، اور نماز کی پابندی نہ کرنے والوں کیلئے بڑی سخت وعیدیں اور سزائیں آئی ہیں۔

نماز خدائے واحد کی عظمت و کبریائی کا اظہار و اعتراف ہے، بندۂ مومن ایک خدا کے آگے سربسجود ہو کر ساری دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے، خدا کے حضور میں پہونچکر نماز ادا کرنا، اس کے سامنے سر نیاز خم کر دینا یہ ایک ایسا سجدہ ہے جو ہزاروں اور سیکڑوں جگہ سجدہ کرنے اور سر ٹیکنے سے آدمی کو نجات دیتا ہے۔

بقول علامہ اقبال۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں ∴ اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات منات

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ∴ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

زکوٰۃ

نحمدہ اللہ العلیّ الکریم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی
بعث للدعوۃ الی اللہ والخلوص من الشرک والوثنیۃ امابعد اعوذ باللہ
من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مثل الذین ینفقون اموالہم
فی سبیل اللہ کمثل حبۃٍ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃٍ مأۃ حبۃٍ واللہ
یضاعف لمن یشاء واللہ واسعٌ علیمٌ (سورہ بقرہ پ ۳)

محترم بزرگو اور دوستو! !

میں نے ابھی ابھی آپ حضرات کے سامنے سورۂ بقرہ کی جو آیت تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کے اس خرچ کرنے کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے پودا اگے۔ اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے وہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جانتا ہے۔"

محترم حضرات!

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر جو بے شمار فضل و کرم فرمایا ہمیں مال و دولت سے نوازا، ہمارے لئے ضروریات زندگی فراہم کیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم زندگی بھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہمیں جس چیز کا حکم دے اس کے کرنے کیلئے فوراً تیار ہو جائیں، اگر وہ اپنی راہ میں جان کا مطالبہ کرے تو جان دینے پر آمادہ ہو جائیں، مال مانگے تو مال دینے سے دریغ نہ کریں، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو ہمارے اوپر حق ہے، ہم اس کی راہ میں جان و مال خرچ کر کے بھی وہ حق ادا نہیں کر سکتے اور سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا نے کے باوجود یہی کہنا پڑے گا کہ :۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو

ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے راستہ میں مال و دولت خرچ کرنے کا حکم دیا ہو اور اس پر کوئی انعام واکرام مقرر نہ کیا ہو، بلکہ اجر و ثواب کا بھی وعدہ کیا ہے جیسا کہ ابھی آیت کے ترجمے سے معلوم ہوا، حالانکہ اگر اللہ نے کسی اجر و ثواب کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو بھی ہمارے لئے ضروری تھا کہ ہم اللہ کا حق ادا کریں، اور اس کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں مال و دولت خرچ کریں، لیکن اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اس کی راہ میں جو چند

خرچ کرتا ہے اسے قرض حسنہ قرار دیتا ہے اور ایسے بندے کو اپنے خاص انعامات سے نوازتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

من یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیراً (بقرہ پ۲ رکوع ۱۶)

"جو شخص اللہ کو قرض حسن دے اللہ اس کے لئے اجر کو دوگنا کر دیتا ہے"

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کیلئے کئی طریقے ہیں، ایک طریقہ وہ ہے جو ہر صاحب نصاب مسلمان یعنی جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کا روپیہ ہو، فرض ہے۔ اس فریضہ کا نام زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کے دینی اور دنیوی دونوں طرح کے فائدے ہیں، ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ دنیا میں ایک طرح کے لوگ نہیں رہتے، اس میں ہر طرح کے ہیں، امیر بھی، غریب بھی، صاحب حیثیت بھی، اور فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرنے والے بھی اور ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں والے، فلک بوس عمارتوں اور عالیشان بلڈنگو والے بھی اور ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں والے بھی، دولت مند بھی غریب بھی سرمایہ دار بھی، اور مفلوک الحال بھی، ہر زمانہ اور ہر دور میں دونوں طرح کے لوگ موجود رہے، کبھی ان طبقوں سے دنیا خیالی نہیں رہی اور نہ آج ہی خالی ہے زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کو نظر میں رکھتے ہوئے اب زکوٰۃ کے فلسفہ کو سمجھئے اور غور کیجئے کہ زکوٰۃ کا نظام قائم کر کے اسلام نے انسانی دنیا پر کتنا زبردست احسان کیا ہے۔

یہ انسانیت نہیں درندگی ہے کہ ایک شخص آرام وراحت کی زندگی بسر کرے اور اسی کے پڑوس میں دوسرا شخص فقر وفاقہ اور بدحالی میں مبتلا ہو، اور گردش زمانہ پہ آنسو بہارہا ہو، یہ انتہادرجہ کی حیوانیت ہے کہ اگر کسی کو دنیاوی سازوسامان میسر ہے تو وہ اپنے میں مست ومگن ہو کر دوسروں کو بھول جائے اور ان لوگوں کو فراموش کردے جو ان لوگوں کی بستی، اسی کے شہر اور اسی کے آس پاس پریشان حالی میں زندگی گذار رہے ہوں، اسلام نے زکوٰۃ کا طریقہ اسلئے اختیار کیا ہے تاکہ امیر ودولت مند طبقہ، کمزوروں اور غریبوں کی اعانت کرے، ان کی پریشانیوں اور تکلیفوں کو دور کرنے کی کوشش کرے، ان کی خبر گیری اور دیکھ بھال کرے۔

قرآن میں جگہ جگہ نماز کیساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے، اور فرمایا گیا ہے،

اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ ”نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دو۔“

احادیث میں بھی بارہا اللہ کی راہ میں مال ودولت لٹانیوالوں کیلئے اجر وثواب کا ذکر آیا ہے، اور مختلف طریقوں سے اس پر ابھارا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

قیامت کے دن اللہ پاک ایک شخص کو بلائیں گے، اور فرمائیں گے، میں بھوکا تھا، تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا، تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، میں بیمار تھا، تم نے میری عیادت نہیں کی، وہ بندہ عرض کرے گا،

اے اللہ تو بھوکا کیسے رہ سکتا ہے تیرے قبضہ وقدرت میں تو سارا نظام کائنات ہے تو کیسے بیمار پڑ سکتا ہے تو ہی تو بیماروں کو شفا اور صحت سے نوازنیوالا ہے، تیری ذات ان عیوب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرا فلاں بندہ بیمار تھا تم نے اس کی عیادت کی ؟ نہیں کی، میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تم نے اسے کھانا نہیں کھلایا، میرا فلاں بندہ پیاسا تھا تم نے اسے پانی نہیں پلایا، اگر تم میرے بندے کو کھانا کھلاتے، پیاس بجھاتے اوران کی عیادت کرتے تو مجھے وہاں پاتے، یعنی ان کو کھانا کھلانا پانی پلانا اوران کی عیادت کرنا گویا میری عیادت اور مجھے کھلانا پلانا تھا۔

زکوٰۃ کی اسلام کے اندر کس قدر اہمیت ہے، اسکا اندازہ عہد صدیقیؓ کے اس واقعہ سے ہوتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ قبائل جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، حالات کی نزاکت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے مصالحانہ رویہ اپنانا مناسب سمجھا، مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جوش ایمان نے اس کو گوارہ نہیں کیا کہ دین کے بنیادی ارکان میں اس طرح منمانی کرنے کی اجازت دیدیں۔ انہوں نے فرمایا۔

اینقص الدین وانا حیٌّ "کیا میرے جیتے جی دین میں کتربیونت کیجائے گی؟"

آپ نے مزید فرمایا، خدا کی قسم! ایک رسی کا ٹکڑا جسے وہ لوگ حضورؐ کے زمانہ میں دیتے تھے اگر اب نہیں دیں گے تو میں اسکے لئے بھی ان سے جہاد کروں گا،

جو لوگ زکوٰۃ فرض ہونے کے باوجود ادا نہیں کرتے اور مال جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں، ان کے بارے میں بڑی سخت وعید قرآن میں آئی ہے، فرمایا گیا ہے۔

الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (سورہ توبہ پ ۱۰)

"جو لوگ سونا چاندی اور مال و دولت جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اے رسولؐ تم ان کو سخت اور دردناک عذاب کی خبر سنا دو"

یہ دردناک اور سخت عذاب کیا ہوگا، اسی آیت میں آگے بتا دیا گیا ہے کہ، ان کی اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، اور ان سے ان کی پیشانیاں، ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور ان سے کہا جائیگا کہ یہی وہ مال ہے جسے تم جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے، اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تھے،

خدا ہم پر اپنا رحم فرمائے اور اپنے انعام و اکرام سے نوازے، آمین،

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، ترے فکر سے، ترے عشق سے ترے نام سے

روزہ

نحمدہ اللہ العلیّ القدیر ونصلی علی رسولہ النذیر والبشیر اما بعد
فقد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید اعوذ باللہ
من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا ایہا الذین اٰمنوا کتب
علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔

(بقرہ ۔ پ ۲)

محترم حضرات !
رمضان المبارک کا مہینہ نہایت خیر و برکت والا مہینہ ہے احادیث میں رمضان المبارک اور روزے کی بہت فضیلتیں آئی ہیں ، ایک خاص فضیلت اس ماہ کو یہ بھی حاصل ہے کہ اس مہینے میں قرآن شریف نازل ہوا ، ارشاد ہوتا ہے ۔

شہر رمضان الذی انزل ”رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں

فیہ القرآن (سورۂ بقرہ)   قرآن جیسی مقدس کتاب نازل ہوئی ۔"

اس مہینے میں کسی مستحب عمل کا ثواب دوسرے مہینے کے فرض کے برابر ہے ،اور فرض کا ثواب ستر گنا زیادہ ہوجاتا ہے ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں دونگا ۔"

شعائرِ اسلام میں روزہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے ، اسلام کے پانچ بنیادی رکنوں میں سے ایک روزہ ہے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی اپنے آپ کو اس اہم فریضہ کی ادائے گی کیلئے تیار کرلیں ، جو اگلے گیارہ مہینوں میں ان کی روحانی ، جسمانی اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ ہے ۔

دین اسلام کے ظہور سے پہلے بھی روزہ ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے مختلف مذاہب عالم میں رائج تھا ، اور ان مذہب کے پیرو اپنے عقائد و تعلیمات کے مطابق روزہ کا اہتمام کیا کرتے تھے لیکن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جس روزے سے روشناس کرایا ، اسے الگ الگ انفرادی حیثیت حاصل ہے ۔ سورۂ بقرہ میں ہے ۔

یاایہا الذین اٰمنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم	"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقوای کی

تتقون ط "صفت پیدا ہو"

تقویٰ اور پرہیز گاری کا مبارک صف رکھنے والونکے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیاً۔ "ہم اپنے بندوں میں سے جنت کا وارث اس شخص کو بنائیں گے جو پرہیز گار اور متقی ہو گا۔

(سورۃ مریم پ ۱۶)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔

ان المتقین فی مقام امین بیشک متقی لوگ (اللہ تعالیٰ کے پاس) امن و امان کی جگہ میں ہونگے۔

(دخان رکوع ۱۶ پ ۲۵)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

لا یدخل الجنۃ الا المتقون "جنت میں داخل نہیں ہونگے مگر وہی لوگ جو تقویٰ اور پرہیز گاری کا مبارک صف رکھنے والے ہونگے"

درج بالا قرآنی آیات اور حدیث رسولؐ سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ متقیوں کا ٹھکانا جنت ہے، جو شخص بھی رمضان المبارک کا روزہ رکھے گا، اسکے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی، اور جس کے اندر تقویٰ کی صفت ہو گی وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے، تو

پھر میری امت یہ تمنا کرے کہ سارا سال ہی رمضان ہو جائے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو ڈھال سے تعبیر کیا ہے جسطرح آدمی ڈھال کے ذریعہ دشمن کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح روزہ دار دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا ۔

ایک حدیث میں ہیکہ روزہ دار کیلئے روزہ خود اللہ سے سفارش کرے گا کہ میری وجہ سے اس بندے نے دن کو کھانا، پینا اور خواہشات نفسانی کو پورا کرنا ترک کر دیا تھا، پس اسے بخش دیا جائے، اور اسے پورا اجر دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ روزہ کی یہ سفارش قبول فرمائے گا ۔

روزہ کے دوران جھوٹ، غیبت، چغلخوری، بیہودہ شور وشغب، گالی گلوج اور تمام برے کاموں و بری باتوں سے احتراز کرنا چاہیئے ورنہ روزے کا ثواب کچھ نہ مل سکے گا ۔

حدیث شریف میں ہیکہ جو شخص روزے میں بھی غلط کاریاں ترک نہ کرے اور گناہوں سے باز نہ رہے تو اسکا روزہ نہیں بلکہ فاقہ ہے اور رات کی عبادت بھی محض جاگنا ہی جاگنا ہے، جو شخص رمضان المبارک جیسے مقدس مہینے میں بھی گناہ ترک نہ کرے اس سے کہدو کہ اللہ کو تیرے بھوکے رہنے اور رات کو جاگنے سے کوئی ہمدردی نہیں ہے ۔

ترمذی کی حدیث ہے جو شخص رمضان المبارک میں بلا عذر شرعی ایک دن

بھی روزہ نہ رکھے تو اگر اس روزے کے بدلے وہ ساری عمر روزہ رکھتا رہے پھر بھی کافی نہ ہوگا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ روزہ دار کیلئے فرحت کے دو خاص موقعے ہیں، ایک خاص فرحت اسکو افطار کے وقت اسی دنیا میں حاصل ہوتی ہے، اور دوسری خاص فرحت اللہ کے سامنے حاضری اور دربار الٰہی میں باریابی کے وقت حاصل ہوگی۔"

روزے میں محض دینی فوائد ہی نہیں ہیں، بلکہ اسکے اندر دنیاوی فوائد بھی مضمر ہیں، روزہ انسان کی صحت اور تندرستی برقرار رکھنے کیلئے ایک مفید چیز ہے، یہی وجہ ہیکہ غیر مسلم دانشور اور محققین بھی اسلامی روزوں کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر رچرڈ کہتے ہیں، "جس شخص کو تزکیۂ نفس کی ضرورت ہو، اسے لازم ہے کہ وہ کثرت سے روزہ رکھا کرے، میں مسیحی لوگوں سے کہونگا کہ وہ اس بات میں مسلمانوں کی تقلید کریں کہ ان کے روزہ رکھنے کا طریقہ بہترین ہے۔

ڈاکٹر مائیکل کہتے ہیں، "روزہ رکھنے سے خیالات پریشان نہیں ہوتے، جذبات کی تیزی جاتی رہتی ہے، برائیاں دور ہوتی ہیں، اور بدی کی طاقت کمزور ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر ہنری ایڈورڈ لکھتے ہیں، "روزہ دل میں سکون، صبر اور اطمینان پیدا کرتا ہے، اس سے قوت برداشت بڑھتی ہے اور سختیاں سہنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔"

ایک اور مغربی دانشور کا قول ہے کہ "روزہ روحانی امراض کا علاج ہے اور روح کو پاک وصاف رکھتا ہے۔

ہم مسلمانوں کو اس بات پر خدا کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہمیں روزہ جیسی بیش بہا نعمت عطا فرمائی جو دنیاوی اعتبار سے بھی مفید ہے اور آخرت میں بھی باعث نجات ہے۔

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار
ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

اقبالؔ

حج

الحمد للّٰہ الذی مالک الارض والسمٰوٰت وما فیہا والصلوٰۃ والسلام
علیٰ نبیہ الصادق والمصدوق وعلیٰ مسلمین الذین جاھدو فی
سبیل اللّٰہ بالاموال والانفس اما بعد اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ
سبیلاً ط ومن کفر فان اللّٰہ غنیٌ عن العالمین۔
(آل عمران، رکوع ۱۰)

محترم حضرات!

میری آج کی تقریر کا عنوان حج ہے، میں آج آپ حضرات کے سامنے حج کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں میں نے ابھی ابھی جو قرآن کی آیت کریمہ تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے، "اللہ کیلئے بیت اللہ کا حج کرنا ہے اس شخص پر جو وہاں پہونچنے کی استطاعت رکھتا ہو اور جو انکار کرے اور کفر اختیار کرے تو جان لو کہ اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے" حج کے متعلق اور دوسری آیات اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، قرآن میں پوری ایک

سورہ حج کے نام سے موجود ہے ، اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کردو ، اس اعلان سے لوگ تمہارے پاس یعنی بیت اللہ کیطرف حج کیلئے چاروں طرف سے آئیں گے، بیدل چل کر بھی اور سواری پر سوار ہو کر بھی ،

حج اسی خانہ کعبہ کی زیارت وطواف کا نام ہے جسکے منعلق قرآن میں ہے ،

اسی مفہوم کو اردو کے ایک شاعر علامہ اقبال نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

حج کی عبادت کا منظر بڑا قابل دید ہوتا ہے ، لاکھوں مسلمان دنیا کے مختلف گوشوں اور خطوں سے اپنے دل میں بیت اللہ اور دیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق لیکر جاتے ہیں ، عشق ومحبت کا اس سے زیادہ پر اثر اور اس سے زیادہ اجتماعی اور ہمہ گیر تصور آپ کو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں نہیں ملیگا ، بندگان خدا کا یہ وہ لازوال جذبہ شوق واشتیاق ہے ، جسے ساری دنیا حیرت سے دیکھتی ہے ، احادیث میں حج کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں ، ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ

کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پھر دریافت کیا اسکے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد، پھر پوچھا اسکے بعد کون؟ فرمایا حج مبرور (بخاری) حج مبرور وہ حج کہلاتا ہے جس میں کوئی معصیت نہ ہوئی ہو، اور ریاکاری ددکھاوا بھی نہ ہو۔

جو لوگ حج فرض ہونے کے باوجود بغیر کسی عذر کے حج جیسی عبادتوں میں ٹال مٹول کرتے ہیں، اسکی ادائیگی میں لاپرواہی اور بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں، ان کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص کے لئے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع نہ ہو، ظالم بادشاہ کیطرف سے روک نہ ہو، یا ایسا شدید مرض نہ ہو جو حج سے روک دے، پھر بھی وہ بغیر حج کئے مر جائے تو اسکو اختیار ہے چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔

ایک حدیث سے حج کی یہ بھی فضیلت معلوم ہوتی ہے، کہ جو شخص اللہ کیلئے حج کرے اور اس میں کوئی گناہ نہ کیا ہو، تو ایسا شخص گناہوں سے اسطرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے وہ اسوقت تھا جبکہ پیدا ہوا تھا، یعنی جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اسکا کوئی گناہ نہیں ہوتا، وہ معصوم پیدا ہوتا ہے، اسی طرح حج کرنیوالا بھی سارے گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، اور اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

سفر میں عام طور پر پریشان ہوتی ہیں، تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی لئے حدیث کے اندر آیا ہے کہ :۔

السفر قطعہ من النار "سفر جہنم کا ایک ٹکڑا ہے"

حج کا سفر بھی کوئی آسان نہیں ہوتا، اس میں پریشانیاں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں، یہ پریشانیاں کیوں اٹھائی جاتی ہیں، صرف ایک مقصد کیلئے اور وہ ہے دیار خداوندی میں حاضری، کسقدر عظیم اور کتنا اعلیٰ ہے یہ مقصد، حج کے اندر عشق حقیقی کا مزہ ملتا ہے لبیک اللھم لبیک حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، کی صدا بلند کرتا ہوا حاجیوں کا قافلۂ دنیا کے گوشہ گوشہ اور کونے کونے سے آئے ہوئے ان لوگوں کو کس چیز نے اس جگہ جمع کر دیا، ان کے درمیان کونسا تعلق اور کونسا رشتہ ہے، جس نے مختلف رنگ ونسل کے افراد کو ایک سلسلہ کی لڑی میں پرو دیا، صرف ایک رشتہ اور صرف ایک تعلق جو سارے رشتوں اور تعلقات سے بڑھکر ہے، وہ ہے اسلام کا رشتہ، وہ ہے مقصد کے اتحاد کا تعلق سب کا ایک مقصد ہے یعنی خدا اور اس کے رسول کے دربار میں حاضری کا شوق و اشتیاق، خدا اور رسولؐ کے ساتھ والہانہ عشق و محبت کے جذبے نے اسلام کے نام لیواؤں کو اکٹھا کر دیا، اور وہ کشاں کشاں چلے آئے ۔

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں ؛؛ ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام کیا

حج کی دولت سے محروم رہجانیوالے، حجاج کو کس قدر حسرت دیاس کے عالم میں دیکھتے ہیں، ان کی حسرت بھری نگاہیں یہی کہتی ہیں کہ ؎

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہوجاؤں
سنا ہے کل ترے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا

حج کی دولت ہر ایک کو نہیں ملتی، خدا کا کرم جسکے شامل حال ہوتا ہے وہی اس دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے، اس نعمت سے فیضیاب ہونے والے جسقدر بھی خدا کا شکر ادا کریں کم ہے، سچ تو یہ ہے کہ

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے ∴ قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں

حج میں کالے، گورے، سیاہ وسفید اور امیر وغریب کی تفریق مٹجاتی ہے بادشاہ ورعایا کا امتیاز ختم ہوجاتا ہے، ایک ہی وضع قطع، ایک ہی شکل وصورت میں سب نظر آتے ہیں وہ چاہے عربی ہوں یا عجمی، حبشی ہوں یا رومی، حاکم ہوں یا محکوم، بادشاہ ہو یا رعایا، ہر ایک برابر ہوجاتا ہے، دنیا دی من و تو کی تفریق اور امتیاز ختم ہوجاتا ہے، اور بقول شاعر ؎

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تیرے دربار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

رحمت عالمؐ

الحمد للہ الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ۝ والصلوٰۃ والسلام السلک ولہ الحمد والیہ ترجعون ۝ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین اما بعد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (انبیاء)

محترم بزرگو اور دوستو!

جب دعائے خلیل و نوید مسیحا سے نور ہدایت فاراں کی چوٹیوں پر جلوہ گر ہوا! اور اپنی ضیا پاش کرنوں سے ساری دنیا کو منور کرنے لگا، اسوقت دنیا انتہائی نازک مرحلے سے گزر رہی تھی، خدا کی زمین پر کفر و الحاد کا ڈنکا بج رہا تھا، اس نازک دور میں خدا کے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں والوں کو رشد و ہدایت فلاح و بہبودی کا راستہ دکھایا، ہلاکت و ضلالت کے عمیق غار سے نکال کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ دنیا کو ایک نئی زندگی عطا کی۔

دنیا والوں کو چاہیے تھا کہ آپ کی آواز پر لبیک کہیں، اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہو جائیں، لیکن وہ احسان شناسی کے بجائے احسان فراموشی پر اتر آئے، پیغمبر اسلام اور متبعینِ اسلام کو طرح طرح کی ایذائیں پہونچائی گئیں، اور ان کو ہر طرح مشقِ ستم بنایا گیا، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے آپ کی باتوں کا مذاق اڑ ا جاتا، نماز کے عالم میں گردن مبارک میں چادر کا پھندا لگایا جاتا، اونٹ کی اوجھڑی رکھدی جاتی، اور اسلام لانیوالوں کو بری طرح زدوکوب کیا جاتا، انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا جاتا، اور انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے ظلم وستم کے تمام حربے استعمال کئے جاتے تھے، مکہ والوں کا ظلم یہاں تک بڑھا کہ آپؐ کو اپنے اصحابؓ سمیت مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جانے پر مجبور ہونا پڑا،۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو دشمنوں کے حق میں بددعا فرما دیتے اور دنیا نے جو نظارہ عاد وثمود اور دیگر نافرمان قوموں کا قہرِ خداوندی کے وقت کیا تھا، وہی منظر پھر ایک بار نگاہوں کے سامنے آجاتا۔ لیکن قربان جائیے آپؐ کی ذات گرامی پر جنہوں نے کبھی بددعا نہ فرمائی ۔

طائف کا بازار ہے، چاروں طرف سے اوباش لڑکے رسولِ خدا پر پتھر برسا رہے ہیں، جسم زخموں سے چور چور ہو چکا ہے، پورا بدن لہولہان ہے، وجہ صرف اتنی تھی کہ آپ نے دنیا کے گم کردۂ راہ انسانوں کو خدا کے سچے اور سیدھے راستے کی طرف بلایا تھا، سیکڑوں معبودانِ باطل کی پرستش چھوڑ کر معبودِ واحد کی بارگاہ میں

سرِ تسلیم خم کر دینے کی دعوت دی تھی، آپ کسی کے دشمن نہیں تھے۔ آپ نے کسی پر زور د زبر دستی نہیں کی تھی، کسی کے مال و دولت پر قبضہ نہیں کر لیا تھا۔ بال صرف دل میں ایک لگن تھی، ایک تڑپ تھی، کہ یہ ساری دنیا خدائے واحد کے سامنے جھک جائے دنیا سے تاریکیوں کے بادل چھٹ جائیں، پوری کائنات نورِ اسلام سے جگمگا اٹھے، ہر زبان خدا کے ذکر سے سرشار ہو، لیکن وہ بدبخت جو ہلاکت و تباہی کے گہرے غار میں پڑے ہوئے تھے، وہ اس آواز کو سن نہ سکے، اس دعوت کو برداشت نہ کر سکے، معبودِ واحد کی پرستش ان کی نظر میں ایک انوکھی چیز تھی، ان کے دل بے نور تھے، ان کی آنکھیں بینائی کے باوجود بصیرت سے محروم تھیں، وہ باطل کے اندھیروں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ ہدایت کے نور سے گھبرا گئے، اور آپؐ کے دشمن بن گئے، اینٹوں اور پتھروں کی بارش سے لہولہان کر دیا، اسی دوران پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے، "اے اللہ کے رسولؐ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دوں، اور یہ نافرمان قوم درمیان میں پس کر رہ جائے، لیکن وہ پیغمبر جسکو خود اللہ تعالےٰ نے رحمۃ للعالمین کے خطاب سے نوازا ہے وہ اتنی تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود اہل طائف کی بربادی گوارا نہ کر سکا، اور زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری ہو گئے۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ؎

"اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے جانتی نہیں ہے۔"

ایک درخت کے سائے تلے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں، آپ سے ذرا ہٹ کر صحابہ کا قیام ہے ایک کافر نے حضورؐ کو تنہا لیٹے دیکھ لیا، دل میں سوچا موقع غنیمت ہے، چلوں اور آپ کا (نعوذ باللہ) کام تمام کر دوں، اسی ارادے سے درخت کے پاس آکر آنحضورؐ کو نہایت گستاخانہ انداز میں بیدار کیا، ننگی تلوار ہاتھ میں تھی اس نے کہا، "اے محمدؐ! بتاؤ تمکو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان وسکون سے جواب دیا،" اللہ" خدا جانے اس لفظ میں کیا تاثیر تھی کہ یہ سنتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگا، اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا، تلوار ہاتھ سے چھوٹ چکی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، تلوار ہاتھ میں لی، اور فرمایا، اے شخص بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا، کافر کا یقین خدا پر کہاں تھا جو جواب دیتا بولا آپ کے ہاتھوں سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا، البتہ اگر آپ مجھ پر رحم فرمائیں تو میری جان بچ سکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبضہ وتصرف میں آجانے کے بعد بھی ایک جانی دشمن کو معاف کر دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں، اے شخص جا تیرے لئے معافی ہے۔

مکہ فتح ہو چکا ہے، صحن حرم میں تمام اہل مکہ موجود ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جو آپکو اور آپ کے ماننے والوں کو برابر ستاتے رہے، مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، انہیں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کی نماز وعبادات، آپ کے اقوال وافعال کا

مضحکہ اڑایا، وہ وحشی بھی آپ کے قبضہ میں تھا جس نے آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کے خون میں ہاتھ رنگا تھا، اور ان میں وہ ھند بھی تھی جس نے حضرت حمزہؓ کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، اور وہ ابو سفیان بھی جنہوں نے غزوۂ بدر کے بعد سے اب تک پے در پے مدینہ پر یلغار کی تھی، اور دین اسلام کو نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ہر مجرم آپ کے سامنے تھا آپ ہر ایک سے گن گن کر بدلہ لے سکتے تھے، کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا، لیکن میرے ماں باپ اس ذات گرامی پر قربان جنہوں نے اپنے دشمنوں کی مکمل آزادی کا اعلان بغیر کسی تعرض کے ہی کر دیا، اور آپ نے فرمایا:۔

لاتثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء "آج کوئی تم پر سرزنش نہیں تم سب آزاد ہو"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان امن و رحمت اس قدر عام ہوتا ہے کہ یہ اعلان ہو جاتا ہے کہ جو بیت اللہ شریف میں داخل ہو جائے وہ مامون جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے وہ مامون، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے وہ بھی مامون ؛

دنیا کا قاعدہ ھیکہ جب کوئی فاتح قوم مفتوح کے علاقوں میں داخل ہوتی ہے تو ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیتی ہے، سہاگنوں کو بیوہ، بچوں کو یتیم، سرسبز شاداب بستیوں کو ویرانے اور کھنڈر میں تبدیل کر دیتی ہے، اور فتح کے نشے میں ہر وہ کام کر ڈالتی ہے جو انسانیت اور تہذیب کے منافی ہوتا ہے ۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ ج وکذالک یفعلون ط (سورۂ نمل)	"بیشک (دنیاوی) بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے ویران کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے شرفاء کو ذلیل کرتے ہیں انکا یہی کام ہوتا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک فاتح تھے کیا آپ نے بھی بستیوں کو اجاڑا آبادیوں کو تہس نہس کیا؟ قتل عام اور خون ریزی کا بازار گرم کیا؟ کیا آپ نے بھی دشمنوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو دشمنوں نے آپ کیساتھ روا رکھا تھا؟ ہرگز نہیں ......!! تاریخ کے صفحات اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ نے پتھر مارنے والوں کے حق میں رحمت کی دعائیں کیں، جانی دشمنوں کو درگذار اور معاف کیا، گھر سے بے گھر کرنے والوں کیلئے عام معافی کی منادی کی، اسلام کے خلاف معرکہ آرائیاں کرنیوالوں کی خطاؤں کو دامن عفو میں جگہ دی۔

اے لاالہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

علمِ دین کی اہمیت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ الامین ہادی البشریۃ الی نور الحق وضیاء الیقین ومنقذ الانسانیۃ من براثن الشرک والضلال المبین اما بعد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (بیہقی)

محترم حضرات! سامعین کرام!

آج میری تقریر کا عنوان ہے "علم دین کی اہمیت" جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ آج زمانہ تعلیم میں بہت ترقی کر رہا ہے، تعلیم کی طرف ہر ملک و قوم اور ہر طبقہ کی توجہ ہو گئی ہے، اس دور میں کسی قوم اور کسی ملک کی ترقی اسی میں سمجھی جاتی ہے کہ اس کے یہاں تعلیم یافتہ کتنے ہیں؟ ہر ملک اور ہر گروہ اپنے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی لائن میں لگانا چاہتا ہے اور دوسروں کو اس میدان میں پیچھے ڈھکیلنے میں لگا ہوا ہے، ایک مقابلہ اور سرد جنگ کی کیفیت پائی جاتی ہے، موجودہ دور میں اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ یہ بتایا جائے

کہ اسلام میں علم اور طلب علم کی کیا اہمیت ہے اور ایک عالمگیر قیادت کا دعویدار ہوتے ہوئے اسلام، انسانی کی اس فطری تلاش و جستجو اور کھوج کیلئے کسقدر مفید ثابت ہوتا ہے، اس کی تعلیمات انسان کے اس ذوق تکمیل و تسکین کا کس درجہ سامان فراہم کرتی ہے،

سب سے پہلی سورۃ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنا یہ احسان یاد دلایا کہ اللہ وہی ہے جس نے انسانوں کو علم و تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا، ارشاد ہوتا ہے۔

علم الانسان ما لم یعلم (سورۃ اقراء) — ”سکھایا اس نے انسان کو وہ جو نہیں جانتا تھا،،

قرآن نے جاننے والوں اور نہ جاننے والونکو ایک فہرست میں نہیں رکھا۔

ھل یستوی الذی یعلمون والذین لا یعلمون (زمر) — ”کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں۔“

تحصیل علم کی اسلام میں کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ احادیث نبوی سے بخوبی ہو جاتا ہے، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔

اطلبوا العلم ولو بالصین — ”علم حاصل کرو اگرچہ اس کے لئے چین کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔“

”چین کے سفر“ کا مطلب یہ ھیکہ علم کے حصول میں پوری جد وجہد اور

کوشش صرف کردو، تحصیل علم کی غرض سے اگر دور دراز کا سفر کرنا پڑے تو بھی پیچھے نہ ہٹو، علم کی راہ میں تکلیفوں، پریشانیوں اور مصائب سے نہ گھبراؤ، دوسری حدیث میں ہے۔

اطلبوا العلم من المهد الی اللحد — ”مہد سے لحد تک علم حاصل کرتے رہو۔“

انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے علم کے حصول میں مختلف براعظموں اور ممالک کی خاک چھانی، طویل سفر طے کئے، مدارس، تعلیم گاہیں اور تحقیقاتی مراکز قائم کئے، دارالمطالعہ اور کتب خانوں کا جال بچھایا، اور ساری دنیا میں اپنی علمی برتری ثابت کر دکھائی۔

اسلام ان سارے علوم وفنون کو سیکھنے اور حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے جس میں انسانی بھلائی اور انسانی معاشرہ کی فوز و فلاح مدنظر ہو، ساتھ ہی وہ علم وفن اسلامی اصول وقوانین سے متصادم نہ ہو، لیکن ان سارے علوم و فنون کے مقابلے میں اسلام نے دینی تعلیم کو سب سے اہم اور سب سے بڑا فریضہ قرار دیا ہے، علم دین کی تحصیل ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ حدیث نبویؐ ہے۔

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم (بیہقی) — ”علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

علمائے امت نے اس فرضیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ دین کی ان باتوں کا علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے جنکی عام طور سے ضرورت پڑتی ہے اور جنکے بغیر دینی احکام پر صحیح طور پر عمل نہیں کیا جاسکتا ،

آیئے اس سوال پر غور کریں کہ اسلام علم دین کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض کیوں قرار دیتا ہے یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اسلام کسی خاندان ، قبیلے اور برادری کا نام نہیں ہے کہ جو بھی اس خاندان میں پیدا ہو وہ خود بخود مسلمان ہو ، اور مسلمان بننے کیلئے اس کو کچھ کرنا نہ پڑے ، اسلام ایک مکمل دین ، مستقل تہذیب اور مستقل تحریک کا نام ہے ، جس کے احکام و اصول پر چلنے والا ہی دائرۂ اسلام میں رہ سکے گا ، ورنہ نہیں ، ظاہر ہیکہ مسلمان بننے کیلئے ہمیں ان قوانین سے باخبر ہونا ضروری ہے ، جن پر عمل پیرا ہونے کے بعد ایک شخص مسلمان کہلاتا ہے ، یہی وہ ضرورت ہے جو علم دین کی تحصیل کیطرف ھمیں متوجہ کرتی ہے اگر آپ غور سے دنیا کو دیکھیں ، اور اس کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ دنیا کے اندر ہر زمانے میں دو طرح کی طاقتیں کارفرما رہی ہیں ، " رحمانی طاقت " اور " شیطانی طاقت " رحمانی طاقت انسان کو ہدایت عطا کرتی ہے ، گمراہی وضلالت کی تباہ کن بھنور سے نکال کر کامیابی و کامرانی کی منزل تک پہونچاتی ہے " اور " شیطانی طاقت " انسان کو غلط روی کا شکار بناتی ہے اسے گمراہی کی راہ پر ڈال دیتی ہے اس بات کا پتہ لگانے کیلئے کہ کونسی طاقت ہماری خیر خواہ ہے

اور کون بدخواہ، کون صحیح رہنمائی کرتی ہے اور کون غلط، ہمارے لئے ضروری ہیکہ ہم دین کی تعلیم حاصل کریں، علم دین کے بغیر ان دونوں طاقتوں میں امتیاز مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

علم دین حاصل کرنے کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے، حضورؐ نے فرمایا، "مومن کا پیٹ علم دین سے مرتے دم تک نہیں بھرتا، یہاںتک کہ وہ مرجاتا ہے اور جنت میں پہونچ جاتا ہے۔"

دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے، "جو شخص علم دین حاصل کرنے کیلئے اپنے گھر سے نکلا، جب تک وہ واپس نہیں آتا اسکو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو۔"

یہ بات بھی بدیہی ہیکہ علم دین کا نہ جاننے والا ہمیشہ خطرہ میں رہتا ہے اسے ہر وقت اسکا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے کہ فلاں کام کے اندر جائز و ناجائز حدود کیا ہیں اور غلط و صحیح طریقہ کیا ہے جبکہ اسکے برخلاف علم دین سے واقفیت رکھنے والا اس قسم کے خطرات سے بہت کم دوچار ہوتا ہے، کیونکہ وہ شریعت کے حکموں سے واقف ہوتا ہے، علماء کی ایک خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءط (سورہ فاطر)	"اللہ کے بندوں میں علماء سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

لیکن علم کے ساتھ ساتھ عمل بہت ضروری ہے علم بغیر عمل کے اس جسم کی طرح ہے جو بے روح ہو، یا اس درخت کیطرح ہے جسمیں پھل نہ ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس علم کی مثال جسکو سیکھا گیا اور پھر اس پر عمل نہیں کیا گیا اس خزانہ کی ہے جسمیں سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا گیا ہو۔

ھمارے اسلاف نے علم دین حاصل کرنے میں بڑے ذوق ورغبت کا اظہار کیا اسکی خاطر بڑی تکلیفیں برداشت کیں، دور دراز کے سفر طے کئے، خطرناک راستوں سے گزرے، غربت ومسافرت کی زندگی اختیار کی اور اپنی علمی پیاس بجھانے کیلئے در در کی ٹھوکریں کھائیں، مصائب برداشت کئے، مسلمانوں کے علمی کارنامے بے مثال ہیں مگر افسوس کہ آج مسلمان میں وہ علمی ذوق باقی نہ رہا، جو ھمارے اسلاف میں تھا، وہ علمی ولولہ اب سرد پڑ چکا ہے، جس نے ساری دنیا کو مسلمانوں کے آگے زانوے ادب نہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا، علم کیساتھ دلچسپی اور لگن جو کبھی مسلمانوں کے اندر تھی اب غیر مسلموں میں آچکی ہے، بڑی بدقسمتی کی بات ھیکہ جنہیں خود مسلمانوں نے علم وہنر کا سبق پڑھایا تھا، اب خود مسلمان ان کے دست نگر ہیں، مسلمانوں میں وہ علمی ولولے ماند پڑ گئے، جن کے ذریعہ ہمارے اسلاف دنیا میں چمکے اور دنیا میں نام پیدا کیا، ھمیں چاہیئے کہ اپنے اسلاف کا علمی ذوق اپنے اندر پیدا کریں، تاکہ ھمارا کھویا ہوا ادقار واپس مل سکے

عیدُ الفطر

الحمدللہ الذی رفع درجات الاذکیاء وجعل منہم انبیاء و اولیاء والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد الذی اخرج الناس من الضلالۃ الی الھدایۃ ومن الشقاوۃ الی السعادۃ وعلیٰ الہ الطاھرین واصحابہ الکاملین رضوان اللہ علیہم اجمعین اما بعد۔

عید رمضان آمد و ماہ رمضاں رفت
صد شکر کہ ایں آمد و صد حیف کہ آں رفت

صدر محترم! حاضرین جلسہ

تہوار اور میلے منانے کا طریقہ بہت زمانے سے رائج ہے دنیا کی ہر قوم اور مذہب کے لوگوں میں کچھ مخصوص دن مقرر ہیں، جن میں وہ لوگ خوشیاں مناتے ہیں، جشن و سرور کا اہتمام کرتے ہیں ان میں کچھ تہوار کسی فتح کی یادگار ہیں، کچھ کسی قوم یا ملک کی آزادی سے متعلق ہیں، اور کچھ تہوار موسمی تغیرات کے مرہون منت ہیں۔

اسلام نے مسلمانوں کیلئے سال بھر میں جو خوشی و مسرت کے دن مقرر کئے ہیں، وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کہلاتے ہیں، یہ دونوں اسلامی تہوار کسی ملک کی فتح و شکست، کسی یوم آزادی اور کسی موسمی تغیر کے نتیجے میں نہیں منائے جاتے اسلام کے نزدیک تہوار خوشی میں مست و مدہوش ہو کر خدا اور رسول کے حکموں سے خود کو آزاد کر لینے کا نام نہیں ہے اسلام نے تہوار کو بھی خدا اور رسول کے حکموں کے تابع کر دیا ہے، اور اسے عبادت کے روپ میں پیش کر کے انسانوں کے لئے خوشی منانے کے ایک سنجیدہ اور شائستہ طریقہ کی جانب رہنمائی کی، اسلامی تہوار رنگ رلیوں، رنگ پاشیوں، خدا کے حکموں سے آزادی اور انسانوں کی دل آزاری کا نام نہیں ہے، بلکہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے نشاطِ روح اور علاج تلخیِ دوراں کا نام ہے۔

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اسوقت "انصار" میں میلے اور تہوار منانے کا بہت رواج تھا ان تہواروں میں "مہرجان" اور "نوروز" خاص طور سے قابل ذکر تھے۔ ان تہواروں میں انصار کھیل کود کیا کرتے تھے اور جشن منایا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ دو روز جو تم کھیل کود کیا کرتے ہو اس کی حقیقت کیا ہے؟ انصار نے جواب دیا، ہم لوگ دورِ جاہلیت میں اس دن کھیل کود کیا کرتے تھے، آج بھی وہی کر رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ,, اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دودنوں سے بھی بہتر خوشی منانے کیلئے دودن مقرر کئے ہیں ان میں ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، کہ عید کے دن صبح سے ہی اللہ کے فرشتے آبادیوں کی گلیوں اور کوچوں کے سروں پہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور امت محمدیہ کو یوں خطاب کرتے ہیں۔

یا امۃ محمد اخرجوا الی ربکم یقبل القلیل ویعطی الجزیل ویغفر الذنب العظیم۔

,, اے امت محمدیہ! اپنے اس پروردگار کیطرف چلو جو تھوڑی عبادت قبول کر لیتا ہے اور زیادہ اجر و ثواب دیتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔،،

عید کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے، اے گروہ ملائکہ، اس مزدور کی مزدوری کیا ہے جو اپنا کام پورا کر لیتا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں، اسکا بدلہ یہ ہے کہ اس کو پوری پوری مزدوری دیدی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو کہ میں نے اپنے بندوں کے ان روزوں کے بدلے میں جو انہوں نے رمضان المبارک میں رکھے ہیں، اور ان نمازوں کے عوض جو کہ انہوں نے رمضان کی راتوں میں ادا کی ہیں، ان کو اپنی رضامندی اور مغفرت سے نواز دیا۔

کائنات نوع بنوع اشیاء کا مجموعہ ہے، کائنات کی ہر چیز اپنا الگ وجود

رکھتی ہے ان چیزوں کو یونہی اگر الگ الگ رکھا جائے تو بے نام سی حقیقت ہے، اور سب کو یکجا کر دینے پر رنگ و نور سے بھرپور ایک زندگی کا تصور ذہن میں آتا ہے، یہاں آکر نگاہ ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتی ہے جو زندگی کو ایک خوشگوار شکل عطا کرتا ہے اور وہ ہے اتحاد و یکجہتی، میل ملاپ، یہ تصور جہاں بھی جاتا ہے قوموں کی زندگی کو ایک نیا موڑ دے جاتا ہے، اتحاد و یکجہتی اسلام کے اساسی نظریوں میں ہے، اسلام نے قومی اور نسلی برتری اور جاہل عصبیت کی دیواروں کو جنکی بنیاد ذات و برداری پر تھی مسمار کر دیا اور بندگان خدا کو پیار و محبت کے اس رشتہ سے جوڑ دیا، جہاں پہونچکر افتراق و اختلاف کی تمام زنجیریں کٹ جاتی ہیں، اسلام نے محض اتحاد کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ عبادت و ریاضت کا وہ طریقہ بھی سکھلایا جس سے اسلامی اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ ہوتا ہے، نماز روزہ حج و زکوٰۃ اس اتحاد کی جیتی جاگتی تصویریں اور اسلامی بھائی چارگی و یکجہتی کے خوبصورت مظہر ہیں، اس اتحاد کی تصویر عید الفطر کے موقع پر بھی نظر آتی ہے۔

رمضان المبارک شروع ہوتے ہی اور خاص طور سے آخری عشرہ میں عید کی تیاری زور و شور سے شروع ہو جاتی ہے، امیر و غریب، مرد و عورت، ہر چھوٹا بڑا عید کیلئے دن گنتا نظر آتا ہے، عید کی صبح ہر مسلماں صاف ستھرے کپڑے پہن کر عید گاہ کی طرف جانے لگتا ہے، جہاں شہر اور اطراف شہر کے سارے مسلمان جمع ہوتے ہیں، سب کے چہروں سے خوشی و مسرت کے آثار

اور فخر و انبسا کا عالم نمایاں ہوتا ہے، ہر ایک کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں۔
اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمدُ۔

عید گاہ میں پہونچکر نماز دوگانہ میں ایک عظیم الشان اتحاد کا منظر سامنے آتا ہے ایک ہی صف میں محتاج و غنی، امیر و فقیر، بادشاہ و رعایا یکساں حالت میں نظر آتے ہیں، بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں، خدا کے دربار میں پہونچکر سب ایک ہو گئے، عید اسلامی اتحاد کی ایک تابندہ علامت ہے، جو ہر سال اسلام کے اس نظریہ کی توثیق کرتی ہے جو اتحاد و یکجہتی کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

دوگانہ سے قبل صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ لوگ جو غربت و افلاس اور معاشی دشواریوں کے پیش نظر عید کی تیاری نہیں کر سکے، وہ بھی اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ملکر عید کی خوشی میں برابر کے شریک ہو سکیں۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

عید الاضحیٰ

الحمد للہ الذی جعل شرائع الاسلام دربًا للتضحیۃ و اکتساب العزۃ احمدہٗ سبحانہٗ یؤید جندہٗ ویعز حزبہٗ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان سیدنا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ الذی قمع اللہ بہ الباطل وشیعتہٗ امابعد قال اللہ تعالیٰ فی القران المجید۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قد صدقت الرویا انا کذالک نجزی المحسنین (صافات پ ۲۳)

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

صدر محترم! سامعین کرام!

ابھی ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے تھوڑی دیر اسی آیت پر روشنی ڈالوں اور عید الاضحیٰ کی مناسبت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مبارک زندگی اور آزمائش کے دقت ثابت

قدمی اور اُلوالعزمی کا تذکرہ کروں، ممکن ہے کہ اس کے نتیجے میں کچھ مفید باتیں سامنے آجائیں، جو ہم سب کیلئے دنیا و آخرت میں سرخ روئی اور کامیابی کا ذریعہ بنجائیں۔

حضرات:۔ یہ دنیا دار العمل ہے، یہاں ترقی کیلئے ہاتھ پاؤں مارنا اور کوشش کرنا ضروری ہے، کامیابی جد وجہد اور سعی پیہم کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔ اپنے مقصد کے ساتھ والہانہ عشق اور تعلق انسان کو کامیابی کے مدارج طے کراتا ہے، انسان خواہ روحانی ترقی چاہتا ہو یا مادی ترقی، ہر ایک کی راہ میں رکاوٹیں اور دشواریاں ضرور آتی ہیں، امتحانات کی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزر کر ہی انسان تعمیر و ترقی کی منزل تک پہونچتا ہے، اور یہ حقیقت بھی روز روشن کیطرح عیاں ہیکہ انسان جس قدر عظیم مقصد کو لیکر اٹھے اسی قدر اسے بلندی حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی قدر اسے رکاوٹوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آزمائشوں اور امتحانات کے مرحلوں سے کامیاب گزر جانے کے بعد انسانی شخصیت کندن کے مانند نکھر کر سامنے آتی ہے۔

خدا کی یہ زمین ابتدائے آفرینش سے ہی حق و باطل کی معرکہ آرائیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، اسلام اور کفر کی جنگ ابتدائے دنیا سے جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گی، بقول علامہ اقبال۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ؎ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

چراغ مصطفوی کو بجھانے اور نیست و نابود کرنے کے ناپاک منصوبے ہمیشہ بنائے گئے، نور خدا کو گل کرنے کی کوششیں ہمیشہ ہی اہل باطل کیطرف سے ہوتی رہیں، مگر خدا کے برگزیدہ بندوں نے کبھی بھی ان کے ناپاک عزائم کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا، ہمیشہ ان کے سامنے وبنیان مرصوص کی طرح جم گئے اور خدائے واحد کے بجائے ان گنت خداؤں کیطرف بلانے والوں کو منہ کی کھانی پڑی، حق کا بول بالا ہو کر رہا، حق و باطل کی ان معرکہ آرائیوں میں اہل حق کو طرح طرح کے مصائب جھیلنے پڑے، قسم قسم کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا طرح طرح سے ان کے عزم و حوصلہ، ایثار و قربانی کا امتحان لیا گیا۔ خدا کے دو برگزیدہ پیغمبر حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیلؑ کی زندگیاں بھی عزم و حوصلہ، ایثار و قربانی امتحان و آزمائش کی ایک داستان ہیں، جو ہمارے لئے ایک بہترین نمونۂ عمل ہے خدا کے ان دو برگزیدہ پیغمبروں نے خدا کے حکم کی تعمیل کی جسطرح سر تسلیم خم کیا خدا کی راہ میں جو مصایب و آلام برداشت کئے، اور جس جراءت و ہمت کے ساتھ خدا کی راہ میں امتحانات کے مراحل سے کامیاب گزر گئے وہ ہمیں بھی دعوت عمل دیتا ہے ہمیں بھی خدا کی راہ میں ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا ولولہ بخشتا ہے،

نبوت و رسالت کا منصب سب سے اعلیٰ منصب ہے اور اس اعلیٰ منصب سے جو سرفراز کئے گئے ہیں، وہ بلاشبہ افراد انسانی میں سب سے اعلیٰ اور

ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اور چونکہ منصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے ابتلاء و مراحل کے آزمائش بھی پیش آتے ہیں، لہذا حضرت ابراہیم و اسمٰعیلؑ کو جن آزمائشوں اور امتحانوں میں مبتلا کیا گیا، وہ عام انسانی آزمائشوں و امتحانوں سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں، خدا نے اپنی محبت اور خلت کا امتحان لینے کیلئے کبھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیوی اور بچوں کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ دینے کا حکم دیا، کبھی آتش نمرود میں کافروں کے ہاتھوں سے ڈلوا کر آزمائش کی، اور کبھی پیارے بیٹے، بڑھاپے کی لاٹھی، امیدوں کے مرکز، نور و نظر، لخت جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو خدا کی راہ میں ذبح کر دینے کا حکم دیا، یہ ایک زبردست امتحان تھا، ایک بڑی سخت آزمائش تھی، مگر صد آفریں حضرت ابراہیم و حضرت و اسمٰعیلؑ کی ذات بابرکت پر، کہ دونوں نے خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیا، کوئی پس و پیش نہیں کی، حضرت ابراہیمؑ نے جب خدا کے حکم کے متعلق حضرت اسمٰعیل سے پوچھا کہ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے، اس موقع پر فرمانبردار بیٹے نے جو جواب دیا، وہ تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے، حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا۔

یاابت افعل ماتومر ستجدنی	”اے میرے باپ! آپ کو اللہ کیطرف سے
ان شاء اللہ من الصابرین	جو حکم دیا گیا ہے اسے کر ڈالئے، آپ
(صافات)	انشاء اللہ مجھے صبر کرنیوالا پائیں گے۔“

چنانچہ باپ اور بیٹے تعمیل حکم میں چل پڑے، عقل حیرت زدہ ہے، ماحول پر

سکوت طاری ہے اور فضا میں ایک عجیب طرح کی خاموشی چھائی ہوئی ہے خدا کے دو برگزیدہ پیغمبروں کی اس عظیم جرأت، اس استقلال، اس بلندیٔ ہمت کو دیکھکر عشق کی اس وارفتگیٔ شوق اور جوشِ جنوں کے اس بانکپن سے عقل محوِ تماشائے لبِ بام ہے اور عشق ہوش کی منزلوں سے پرے اپنے محبوب کے حکم کی تعمیل میں سرگرم عمل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو زمین لٹا دیا، اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی، اور تیز چھری گلے پر پھیر دی، مگر یہ کیا؟ چھری اپنا کام نہ کر سکی، چھری جسکا کام کاٹنا ہے، لیکن آج وہ اپنا کام بھول چکی ہے، فوراً خدا کیطرف سے وحی ہوتی ہے۔

قد صدقت الرؤیا انا — "اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا

کذالك نجزی المحسنین — ہم نیکیاں کرنے والوں کو ایسا ہی

(صافات، پ۲۳) — بدلہ دیتے ہیں۔"

اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ ذبح ہوا۔

یہی وہ قربانی ہے جو خدا کی بارگاہ میں اس قدر مقبول ہوئی کہ ہمیشہ کیلئے امت مسلمہ کا شعار قرار دیدی گئی، اور آج بھی ساری دنیا کے مسلمان ہر سال ذی الحجہ کی دس، گیارہ، بارہ تین تاریخوں میں یہ عظیم یادگار پورے جوش وخروش کے ساتھ مناتے ہیں۔

ایک بار صحابۂ کرامؓ نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اے

اللہ کے رسول قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا:

هِيَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيمْ "یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔"

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی زندگیاں اطاعت شعاری، فرمانبرداری اور خدا کے حکموں کے آگے سر نیاز خم کر دینے کا بے مثل نمونہ ہیں، ان کی حیات مقدسہ خدا کے دین کی خاطر جینے اور مرنے اور اسی کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ بیدار کرتی ہیں۔

عید الاضحیٰ ایثار و قربانی کا ایک عظیم درس اپنے جلو میں لے کر آتی ہے۔ اور ہمیں یہ دعوت دیتی ہے کہ ہم بھی امتحان و آزمائش کے مرحلوں میں ثابت قدمی اختیار کریں، خدا کے احکام کی تعمیل میں بغیر پس و پیش کے سر تسلیم خم کر دیں۔ ہمارے اندر وہ حوصلہ ہونا چاہیے، جو ہمارے اسلاف کے اندر تھا، ہمیں اپنے اندر عزم و ارادہ کی وہ پختگی پیدا کرنی چاہیئے، جو ہمارے بزرگوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ اسلاف جیسی عظمت، اسلاف جیسا وقار و دبدبہ حاصل کرنے کیلئے اسلاف جیسی جرأت و ہمت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

محبتِ رسولؐ

الحمدللہ رب الارض والسمٰوٰت عالم الاسرار والخفیات احاط بکل شئٍ علماً نحمدہٗ ونستغفرہٗ ونتوب الیہ ونومن بہ ونتوکل علیہ واشہدان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہدان سیدنا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ وسلم تسلیماً کثیراً امابعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفورٌ رحیم ط (اٰل عمران پ ۳)

صدرِ محترم! معزز حاضرین جلسہ!!

اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا، پھر انسانوں میں بھی اسلام کے ماننے والوں میں پیدا کیا، ایمان کی یہ دولت بہت بڑی دولت ہے، یہ دولت ہمارے ہاتھوں بڑی مشکل سے آئی ہے، اس پیغام کو دنیا تک پہونچانے اور پھیلانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، بڑے مصائب جھیلے ہیں، یہ دین ہمارے پاس آسانی سے نہیں آگیا ہے اس پیغام کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں، رسول

خدا اور صحابۂ کرام اور بزرگانِ دین کی لگاتار جد وجہد اور انتھک کوششوں سے یہ دین ہم تک پہونچا ہے ۔

خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں انسانوں کی بھلائی اور انہیں راہ مستقیم کی جانب گامزن کرنے کی کتنی لگن تھی ، اسکا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، آپ نے گمراہ انسانیت کو راہ حق وصداقت سے روشناس کرایا، اور اس کیلئے جو پریشانیاں اٹھانی پڑیں، جو بھی مصائب جھیلنے پڑے، بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کئے اور برابر لوگوں کو دین کیطرف بلاتے رہے، دین کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسقدر ستایا گیا، اور جتنی تکلیفیں پہونچائی گئیں ، کسی کو اتنا نہیں ستایا گیا ،کسی کو مصائب وآلام کی اتنی دشوار گزار گھاٹیوں سے نہیں گزرنا پڑا، لیکن انسانیت سے محبت اور انسانوں کا درد تھا، کہ ساری تکلیفوں سے بے نیاز ساری مشکلات سے بے پرواہ ہو کر آپ پیغام حق سناتے رہے، گمراہ دنیا کو کفر وشرک کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکال کر ایمان ویقین کے اجالے عطا کرتے رہے ۔

محترم حضرات! جب اللہ کے رسول نے ہمارے ساتھ اسقدر محبت، همدردی اور غمگساری کا برتاؤ کیا ، اور همارى هدایت ورهنمائی کیلئے اتنی تکلیفیں اٹھائیں ،تو اب همارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیئے ،کیا یہ ہماری احسان مندی اور احسان شناسی کا تقاضا نہیں ہے کہ ہم اللہ کے رسول کی محبت سے خود کو ایک لمحہ کیلئے بھی الگ نہ کریں ، یقینًا ایسا ضرور ہونا چاہیئے ، یہ فطرت

کا تقاضا اور فطرت کی آواز ہے ۔
حضرت علیؓ سے ایک بار کسی نے پوچھا،" آپ کو حضورؐ سے کتنی محبت تھی ..؟ فرمایا، خدائے پاک کی قسم حضور ہملوگوں کے نزدیک اپنے مالوں، اپنی اولادوں، اپنی ماؤں اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے "
حضرت انسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ (بخاری)	" تم میں کوئی اسوقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جبتک کہ میں اسکے نزدیک اس کے باپ اور بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں "

عنوان کلام میں، میں نے جو آیت پڑھی تھی، اسکا ترجمہ یہ ہے " آپؐ کہہ دیجئے! اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردیگا، اللہ بڑا معاف کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے ۔
بزرگو اور دوستو! ہم میں سے کون ہے جسے حضورؐ سے محبت نہیں، سبھی محبت کے دعویدار ہیں، سبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق اور لگاؤ رکھتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو جتنی اپنے رسول سے محبت ہے وہ دنیا کی کسی قوم یا کسی امت کو اپنے ہادی اور رہنما کیساتھ نہیں رہی، یہ مسلمانوں کی وہ خصوصیت ہے جس میں وہ ہمیشہ سے منفرد رہے ہیں، اور آج بھی منفرد ہیں، مسلمان چاہے جتنا بھی

بے عمل ہو، کتنا ہی دین سے دور ہو گیا ہو، لیکن حضور کے نام پر مر مٹنے کا جذبہ آج بھی باقی ہے، ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی حضورؐ کی محبت اور عشق میں جان دیدینا اپنی دنیا و آخرت کی سعادت سمجھتا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آج ہم تمام مسلمانوں کو کچھ اور بھی سوچنا چاہیئے، حضورؐ سے محبت کا دعویٰ بجا ہے اور حضورؐ سے عشق درست، مگر صرف زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا، حضورؐ سے محبت کا مطلب یہ ہونا چاہیئے کہ آپ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے انہیں پوری تندہی اور کوشش کے ساتھ روبعمل لایا جائے، ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیوی و اخروی زندگی سنواری جائے، جن باتوں اور جن کاموں کے کرنے سے روک دیا ہے ان سے رک جایا جائے، یہی حضورؐ سے سچی محبت کہی جائے گی۔

مرے زہد بادہ پرست میں یہی میکدہ کا نظام ہے
وہ عطا کریں تو حلال ہے وہ نہ دیں تو بادہ حرام ہے

یہ کیسی محبت ہے؟ کہ ایک طرف یہ دعویٰ ہے کہ اے اللہ کے رسول ہمیں آپ سے بے پناہ محبت ہے، ہر چیز سے زیادہ، ہماری جان و مال، ہماری آل ولاد ہمارے عزیز و اقارب سب آپ پر قربان، مگر حضور جو پیغام لیکر آئے اس سے اعراض و اغماض برتا جائے، اسکے ساتھ لاپرواہی کا معاملہ روا رکھا جائے، اپنے ذاتی مفاد کی خاطر جائز و ناجائز حدود کا بالکل پاس و لحاظ نہ کیا جائے، ظاہر ھیکہ

محبت کے اس دعوے کی کون قدر کرسکتا ہے؟ عشق کے اس دعوے کو کون باور کر سکتا ہے جسکے ساتھ کوئی عمل دلیل نہ ہو، حضور کے ساتھ محبت کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کا اتباع کیا جائے،

چھن جائے اگر دولتِ کونین تو کیا غم
لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ محمدؐ

ورنہ صرف زبانی محبت کے دعوے کو کوئی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا بلکہ یہ مسلمانوں کیلئے بڑے عار اور شرم کی بات ہوگی، کہ اپنے رسولؐ سے محبت کے دعوے بڑے لمبے اور چوڑے ہیں، مگر عملی زندگی میں ان کے پیغام سے کوئی مناسبت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے" اور ہم نماز سے لاپرواہی برت رہے ہیں، حضورؐ فرماتے ہیں "زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھا کرو، بیت اللہ کا حج کیا کرو، مگر ہم یوں سنی ان سنی کر جاتے ہیں، جیسے ہم سے نہیں کہا جا رہا ہے، حضورؐ فرماتے ہیں،" اپنے ماں باپ، بیوی بچوں، اپنے رشتہ داروں، اور پڑوسیوں کیساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرو، مگر ہم ہیں کہ سراسر ان تعلیمات کی خلاف ورزی پر تلے نظر آرہے ہیں، حضورؐ فرماتے ہیں، "کسی پر ظلم نہ کرو، فریادیوں کی فریادرسی کرو، انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو معاملات کے اندر راست بازی اور صلح وصفائی سے کام لیا کرو، مگر یہ ہمارا حال

ہے کہ ان سب سے مکمل طور سے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں، یہ محبت رسول کا بہت غلط تصور ہے، محبت کے دعوے کیساتھ محبت کی عملی دلیل بھی پیش کرنی چاہیئے، وہ اسطرح سے کہ جن کاموں کا حضورؐ نے حکم دیا ہے، انہیں جان و دل سے کیا جائے، اور جن باتوں سے حضورؐ نے روک دیا ہے، ان سے پورے طور پر اپنے آپ کو بچایا جائے یہی محبت کا صحیح مطلب ہے، صحابۂ کرام کی زندگیوں میں محبت کے اسی تصور کی کارفرمائیاں تھیں، جنہوں نے ان کی زندگیوں کو کندن کے مانند چمکا دیا تھا، اور ان کا یہ حال تھا کہ :۔ ے

جہاں بھی تو نے پکارا ہے بادہ خوار چلے ∴ صلیب و دار سہی، دشت و کوہسار سہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ حضورؐ کی پیشکردہ تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزاری جائے، حضورؐ کی اتباع درحقیقت اللہ کے حکموں کی اتباع ہے کیونکہ حضورؐ نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہے، خدا کیطرف سے جو حکم ہوتا رہا ہے آپ بندوں تک انہیں پہونچانے کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، قرآن مجید میں ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ (سورہ نساء) ”جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی “

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ∴ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

عبادت

الحمد للّٰہ الذی اذاق المسلمین حلاوۃ الطاعۃ وعلق قلوب المومنین بالمساجد والجماعۃ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونق من شاء للصیام والقیام وھیاء لھم سبیل الوصول الیٰ دار السلام اما بعد قال اللّٰہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ط

صدر محترم! حضرات سامعین کرام!

دنیا میں آج جو مذاہب پائے جاتے ہیں، ان کا جن باتوں پر اتفاق ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خدا کی عبادت کی جائے، یہ الگ بات ہے کہ خدا کی عبادت کا طریقہ کیا ہو، عبادت کے طریقے سبھی مذاہب میں مختلف پائے جاتے ہیں، لیکن اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ خدا کی عبادت کرنی چاہیئے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جو احسان فرمائے ہیں، اور جن نعمتوں اور انعاموں سے نوازا ہے، اس کی احسان شناسی کے طور پر یہ اظہار ضروری ہے کہ اے خدا ہم تیرے محتاج بندے

ہیں، تیری ہر مدد اور انعام کے محتاج ہیں، ہمیں تیری ہر آن ضرورت ہے، تو نے ہم پر جو بے شمار احسانات کئے ہیں، اور مسلسل کر رہا ہے اس کا حق ہم ہرگز ہرگز ادا نہیں کر سکتے، اِلّا یہ کہ اپنے جذبۂ تشکر و امتنان کی تسکین یوں کر لے کہ تیری پرستش اور عبادت کریں، تیرے آگے اپنا ماتھا ٹیک کر اپنی عاجزی اور درماندگی اور تیری بادشاہت و حاکمیت کا اقرار کر لیں ؎

دنیا کے سب سے عظیم اور آخری دین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بنی نوع انسان کو مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت سے عطا کیا گیا ہے، اس نے بھی انسان کے اس جذبۂ تشکر کو بڑا اہمیت دی ہے، اور عبادت کے اصول مقرر کئے ہیں، اسلامی عبادتوں کی حیثیت ہر طرح سے دیگر مذاہب کی عبادتوں سے جدا اور ممتاز ہے، اسلامی عبادت خالق و مخلوق کے رشتے کو مضبوطی بخشتی ہے، انسانوں کو خدا کے قریب لاکر خدا کے انعامات اور اس کے فضل کا مستحق بناتی ہے، اسلامی عبادات محض عبادت کے چند بندھے ٹکے اصولوں کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلام عبادات انسانی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتی ہیں۔

اسلام میں عبادت تین قسم کی ہوتی ہے، ایک وہ جسکا تعلق بدن سے ہے، جیسے نماز روزہ وغیرہ، یہ بدنی عبادات کہلاتی ہیں، دوسری وہ جو مال سے متعلق ہیں انہیں مالی عبادات کہا جاتا ہے، مثلاً زکوٰۃ وصدقات وغیرہ، تیسری قسم وہ ہے جو بدنی اور مالی دونوں طرح کی عبادتیں قرار دی جاتی ہیں، اس کی مثال میں حج کو

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کی تخلیق ، جانوروں کی طرح غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کیلئے نہیں ہوئی ہے ، اسلام بتاتا ہے کہ انسان کی پیدائش کا ایک اہم مقصد ہے ، وہ یہ کہ ہر انسان خدا اور رسول کی خوشنودی کی تلاش میں سرگرداں ہوجائے ، ان طریقوں کو اختیار کرے جو خدا اور رسول کی رضا حاصل کرنے والے ہیں ۔"

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب دنیا کی ہر چیز اور کائنات کی ساری اشیاء انسان کے تابع فرمان کردی گئی ہیں اسے ان میں تصرف کا اختیار دیدیا گیا ہے اور دنیا کی ساری چیزیں اسی مقصد کے تحت وجود میں لائی گئیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائے تو فطرت سلیمہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگی کہ انسان کی تخلیق کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا ، اسی مقصد کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ، اور بتایا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد خدا کی عبادت ہے ؛

قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کی پیدائش کی غرض وغایت جو عبادت قرار دی جارہی ہے ، وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے تمام انبیاء کرام کی امتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ خدا کی عبادت کریں ، سورۃ انبیاء میں ہے ۔

وجعلناهم ائمةً يهدون	" اور ہم نے ان کو رہبر بنایا ، وہمارے
بامرنا واوحينا اليهم	حکم سے اپنی امتوں کی رہنمائی کرتے تھے
فعل الخيرات واقام الصلوٰة	اور ہم نے ان کو نیکی کرنے ، نماز قائم

وایتاء الزکوٰۃ وکانو لنا " و کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا پیغام دیا، اور

عابدین ؕ (پ۱۷) وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے "

بہرحال انسان کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت کرے، خدا کے حکموں پر چلے، اگر کوئی انسان خدا کی عبادت نہیں کرتا، اور اس کے حکموں پر نہیں چلتا، تو بلا جھجھک یہ کہا جائیگا کہ ایسا انسان اپنے مقصد تخلیق میں ناکام رہا اپنے مقصد آفرینش کو پورا نہ کرسکا، انسان اپنے مقصد تخلیق کو اسی وقت ادا کرسکتا ہے جب وہ خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل پیرا ہو جائے، اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزار دے۔

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

اسلام کیسے پھیلا ؟

الحمد للہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد یہدی من یشاء الی طریق السداد و یضل من یشاء بعد لہ الی طریق الغیّ والفساد والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الناصح الصادق الامین اما بعد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغیّ -

محترم حضرات سامعین کرام

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

آج اسلام دشمن طاقتوں کیطرف سے یہ اعتراض بڑے زور و شور کیساتھ اٹھایا جا رہا ہے کہ اسلام اپنی بلند تعلیمات نہیں، اپنی طاقت کے بل بوتے پر دنیا میں پھیلا، اسلام کی یہ حیرت انگیز اشاعت اور دنیا کے کونے کونے میں اتنی سرعت کیساتھ پھیل جانے کا راز یہ ہے کہ مسلمانوں نے

اسلام پھیلانے کیلئے تلوار کا استعمال کیا زور وزبردستی سے اپنا کلمہ پڑھوایا۔

یہ اعتراض جتنے شد ومد کیساتھ اٹھایا جارہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اتنا ہی بے وقعت اور کمزور ہے، کوئی معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی اگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرے، تو اسے بھی اس کے غلط ٹھہرانے میں کوئی تامل نہیں ہوگا اسلامی تاریخ کا ہر قاری یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا، کہ مسلمانوں پر کلمۂ اسلام تلوار کے زور سے پھیلانے کا الزام غلط اور بے بنیاد ہے، اسلام دنیا میں اپنی اعلیٰ تعلیمات کی وجہ سے پھیلا ہے، اسلام کی اشاعت میں لوہے کی تلوار نہیں، اسلام کے بلند اخلاق کی تلوار تھی، جس نے وہ کام کر دکھایا، جسکو بڑی سے بڑی فوج اور بڑا سے بڑا لشکر بھی انجام نہیں دے سکتا۔

قرآن شریف میں صاف طور سے اعلان کر دیا گیا ہے:۔

لا اکراہ فی الدین ,, دین کے معاملے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں ہے۔" (بقرہ پ۳)

قرآن نے یہ بھی واضح طور پر کہدیا ہے کہ جسکا جی چاہے ایمان کی دولت سے مالامال ہو، اور جسکا جی چاہے کفر وشرک کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرے اسلام کسی کے اوپر جبر واکراہ کر کے اپنا کلمہ پڑھوانے کے حق میں نہیں ہے۔

آیئے اشاعت اسلام کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کریں تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آسکے کہ اسلام دنیا میں کیسے پھیلا، اور اس کی اشاعت تلوار کے

استعمال کا نتیجہ تھی، یا اس کی بلند تعلیمات کے فیوض و برکات تھے، جنہوں نے ساری دنیا کو مجبور کر دیا، کہ وہ اسلام کے دامن میں پناہ لے؛

دنیا کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، انسان خدا کو بھول چکا تھا، خدا کی ہدایت سے ناواقف اور خدا کے راستے سے ہٹا ہوا تھا، ظلم اور زیادتی ہر طرف عام تھی، جرم کو جرم اور گناہ کو گناہ سمجھنے کا احساس تک ختم ہو چکا تھا، ایسا خوفناک ماحول تھا، اور ایسے ماحول میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے اللہ کے رسول حق کیطرف بلانے والے تنہا تھے، خدا کے راستے کیطرف پکارنے والے اکیلے تھے آپ کا اسوقت کوئی ساتھی نہیں تھا، گھر والے بھی نہیں، دوست واحباب بھی نہیں، عزیز واقارب بھی نہیں، ایک طرف اللہ کے رسول، اور دوسری طرف ساری دنیا، اللہ کے رسول کے پاس کوئی دنیاوی طاقت نہ تھی، کوئی فوج نہیں تھی، کوئی لشکر نہیں تھا، روپیہ پیسہ، مال و دولت نہیں تھی؛

اللہ کے رسول نے جب لوگوں کو خدا کیطرف بلایا، دین کی دعوت دی تو ساری دنیا آپؐ کی دشمن بن گئی، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے نماز پڑھتے میں گردن مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی گئی، دوستوں نے منھ پھیر لیا، رشتے داروں نے ناطہ توڑ لیا، اپنے پرائے ہو گئے گھر والے غیریت برتنے لگے، ہر طرف سے آپ کی آواز کو دبایا گیا، آپ کو دین کی دعوت سے روکا گیا، اسلام کو مٹانے کی کوشش کی گئی، جس نے اس پکار پر لبیک کہا، اسے مکہ کی گلیوں میں

گھسیٹا گیا، اسے مارا پیٹا گیا، سخت گرمی میں عرب کی جلتی ریت پر لٹا کر سینے پر پتھر کی بھاری چٹان رکھی گئی، ان ساری کوششوں کے باوجود بھی جب وہ اللہ کے رسول کو دین کی دعوت سے باز نہ رکھ سکے، رسول اللہ کے ساتھیوں کو شرک کرنے پر مجبور نہ کر سکے، تو انہیں گھر سے بے گھر کر دیا، انہیں مدینہ جانے پر مجبور کر دیا، اللہ کے رسول یہ ساری تکلیفیں سہتے رہے، لیکن چپ چاپ برداشت کرتے رہے، اور لوگوں کو برابر دین کی طرف بلاتے رہے۔

رسول خدا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، آپ کے ساتھی آپ سے کچھ دوری پر ہیں، ایک دشمن نے موقع اچھا دیکھ کر تلوار سونت لی، اور آپ کے سرہانے جا پہونچا، اس گستاخانہ انداز میں رسول خدا کو جگایا، اور بڑے غرور سے کہنے لگا، اے محمدؐ! بتاؤ میرے ہاتھ سے اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ "اللہ" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ایک سادہ مگر پر اثر لفظ نکلا جانے کونسی تاثیر تھی اس لفظ میں کہ دشمن اتنا سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگا، تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، رسول خدا اٹھے تلوار ہاتھ میں لی، اور دشمن سے بارعب انداز میں دریافت فرمایا۔ تم اب تک مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ، میرا بچانیوالا کون ہے؟ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا دشمن کا ایمان خدا پر نہیں تھا، اس نے جواب دیا، آپ ہی بچا سکتے ہیں، اگر آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں تو مجھے اب کوئی نہیں بچا سکتا، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک جانی دشمن کو بغیر کسی تعرض کے چھوڑ دیا، وہ اپنے ساتھیوں میں چلا گیا اور پھر اس اخلاق کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص نے مکہ فتح ہونے کے اسلام قبول کر لیا۔

مکہ فتح ہو چکا ہے، صحن مکہ میں سارے مکہ کے لوگ جمع ہیں وہ سبھی جنہوں نے رسولؐ خدا اور رسولؐ خدا کے ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائی تھیں، اسلام کو مٹانے کی کوشش کی تھی، رسولؐ خدا کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے ان میں وہ ابو سفیان بھی تھے، جنہوں نے جنگ بدر کے بعد سے آنک پے در پے مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا، دین اسلام کو نابود کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا، وہ ہندہ بھی تھیں جنہوں نے رسول خدا کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، وہ وحشی بھی آپ کے قابو میں تھا جس نے آپ کے پیارے چچا کے خون میں ہاتھ رنگے تھے، سارے دشمن آپ کے سامنے بے بس درمجرموں کیطرح کھڑے تھے، آپ ان سے ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے، گن گن کر ہر ایک جرم کی سزا دے سکتے تھے لیکن یہ آپ کا بے انتہا عفو و کرم تھا رحمت تھی کہ آپ نے یہ اعلان فرمایا۔

لا تثریب علیکم الیوم — "آج تم پر کوئی سرزنش نہیں جاؤ تم
انتم الطلقاء — سب آزاد ہو"

پھر یہ معافی کا اعلان اتنا عام ہوتا ہے کہ فرمایا جا رہا ہے "جو کعبہ میں پناہ لے

اسے امن ہے، جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ بھی مامون ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ بھی امن میں ہے۔"

اس رحمت کو دیکھکر اس عفو ودرگزر سے متاثر ہوکر عرب کے باشندے اسلام کے دامن میں پناہ لینے کیلئے بیتاب ہوجاتے تھے ابوسفیان اسلام قبول کرلیتے ہیں وحشی دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں، اور ہندہ کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل جاتے ہیں،" اے اللہ کے رسول آج سے پہلے آپ کے خیمے سے زیادہ کوئی خیمہ میرے لئے قابل نفرت نہ تھا، اور آج آپ کے خیمے سے بڑھکر کوئی خیمہ مجھے پیارا نہیں۔"

خلیفۂ وقت علیؓ بازار سے گزر رہے ہیں، ان کی نظر ایک یہودی پر پڑی، جو ایک زرہ بیچ رہا تھا، حضرت علیؓ ایک لمحہ کیلئے ٹھٹھک گئے، یہ زرہ خود ان کی اپنی تھی جو کچھ دن پہلے گم ہوگئی تھی، خلیفۂ وقت نے زرہ اس یہودی سے لینی چاہی اور بتایا کہ یہ زرہ تو ان کی اپنی ہے، اسے کہاں سے مل گئی۔ یہودی نے صاف انکار کر دیا، اور کہا کہ یہ اسے کہیں ملی نہیں ہے، بلکہ اسی کی ہے، خلیفۂ وقت نے زبردستی زرہ چھیننے کے بجائے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور یہودی کے خلاف مقدمہ دائر کردیا، عدالت میں طرفین کا بیان ہوا، قاضی نے حضرت علیؓ کو دعوے کے ثبوت میں گواہ لانے کو کہا، حضرت علیؓ کیطرف سے ان کے بیٹے حسنؓ اور ان کے غلام نے گواہی دی، مگر قاضئ عدالت نے آپ کا مقدمہ یہ کہہ کر خارج کردیا کہ اسلامی عدالت

میں بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں معتبر نہیں ہوتی اسلئے آپ دوسرے گواہ پیش کیجئے، حضرت علیؓ دوسرے گواہ پیش نہ کر سکے اور قاضی کے فیصلے کو قبول کر کے واپس چل دیئے۔

یہودی اس بے لاگ فیصلے اور اسلام کی انصاف پسندی کو دیکھ کر چلّا اٹھا، اس نے حضرت علیؓ کو آواز دی، اور کہا "بیشک یہ زرہ آپ ہی کی تھی، آج اسلام کی صداقت اور حقانیت نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے اور میں اسلام قبول کرتا ہوں۔

ان حقائق کے باوجود اگر کوئی شخص یہی کہے جاتا ھیکہ اسلام طاقت کے زور سے پھیلا ہے، اسکا کلمہ زبردستی پڑھوایا گیا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں یہی رائے قائم کی جائے گی کہ اس کے دماغ میں خلل ہے، اب ایسے شخص کا علاج یہی ہے کہ اسے کسی پاگل خانے بھیج دیا جائے؛

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھکر سازِ فطرت میں نوا کوئی

اتحاد و اتفاق

الحمد للّٰہ الذی جمع بین القلوب برباط الاسلام احمدہٗ سبحانہٗ یدعوالیٰ دارالسلام واشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان سیدنا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اقام منار الاسلام اما بعد قال اللّٰہ تعالیٰ فی القرآن المجید اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم انما المومنون اخوۃٌ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون (سورہ حجرات)

محترم بزرگو اور ساتھیو!

انسان کو زندگی گزارنے کیلئے جہاں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے وہیں باہمی تعاون کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، ہر آدمی کو دوسرے کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے، کوئی انسان دوسروں کی مدد سے بے نیاز ہوکر زندگی نہیں گزار سکتا، ایک عمدہ سماج کی تشکیل اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ

لوگ جن سے ملکر سماج یا معاشرہ وجود میں آتا ہے ایک دوسرے کے دکھ، درد کو محسوس کرتے ہوں، آپس میں اتحاد باھمی تعاون اور یکجہتی کو فروغ دیتے ہوں ایثار و قربانی کا جذبہ ہو، دوسروں کا درد اپنا درد دوسروں کی خوشی اپنی خوشی سمجھتے ہوں، باھمی تعاون ملک وقوم کی تعمیر و ترقی کیلئے بے حد ضروری چیز ہے دنیا کی زندہ قوموں کی ترقی کا راز یہی ہے کہ انہوں نے آپسی اتحاد و تعاون کے ساتھ خود کو ملک وقوم کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔

انسان کے برعکس حیوانات کی زندگی میں یہ تعاون نہیں ملتا، ایک حیوان اپنے ہی جنس کے افراد سے جدا رہ کر زندگی گزار سکتا ہے، مگر ایک انسان کا دوسرے انسان سے الگ رہ کر زندگی بسر کرنا مشکل نہیں ناممکن ہے، انسانی معاشرہ کے درمیان تعلقات کی ایسی لڑیاں ہیں جنہیں بکھیر کر انسان کا وہ تصور باقی نہیں رہ جاتا، جس کی بناء پر انسان کو انسان کہا جا سکے۔

اسلام جو کہ دین فطرت ہے انسان کی اس فطرت کو محسوس کرتا ہے، اور اپنے پیروؤں کے سامنے وہ لائحہ عمل پیش کرتا ہے جو دنیا میں تعمیر و ترقی اور آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار کرے، اگر یہ کہا جائے کہ باھمی تعاون کا نظریہ اسلام کے اساسی نظریوں میں سے ایک ہے تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔

خطبہ میں میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی تھی، اس میں اتحاد و اتفاق پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بتایا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون	”مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں، چنانچہ تم لوگ آپس میں صلح وصفائی سے رہا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“
(سورہ حجرات)	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد اذا اشتکی منہ عضوٌ تداعی لہ سائر الاعضاء بالحمی والسہر	”مومنین کی مثال ان کے آپس میں محبت کرنے اور رحم کرنے میں ایسی ہے جیسے کہ جسم کا کوئی عضو بیمار ہو جائے تو سارے اعضا اس کی وجہ سے تکلیف اور بے چینی محسوس کرتے ہیں۔“

یہ ہیں مسلمانوں کے آپسی تعلقات، جن کی بنا پر خودبخود ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون اور مدد کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے جب ساری قوم کا ایک مقصد ہو، ایک منزل ہو، سب کو مساویانہ حقوق حاصل ہوں، آپس میں دینی اخوت کا رشتہ قائم ہو، سب کے سب ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک نظام زندگی کے ماننے والے ہوں، پھر ان کے درمیان تعاون کا جذبہ کیوں نہ بیدار ہو، وہ ایک دوسرے کے درد کو کیونکر نہ محسوس کریں، آپس میں اتحاد ویکجہتی اور بھائی چارگی کو کیوں نہ فروغ دیں، مقاصد کا اتحاد بغیر کسی محرک کے خودبخود

مل جل کر آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے ۔

عہد رسالت میں اخوت و باہمی تعاون کا بے نظیر نمونہ اس وقت سامنے آتا ہے ، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کی سرکشی سے تنگ آکر یثرب کو مدینۃ النبی ہونے کا شرف بخشا، آپ کے حکم سے مکہ کے وہ مسلمان جنکا کفار کے مظالم کیوجہ سے جینا دوبھر ہوچکا تھا، مدینہ پہونچ گئے ، مہاجرین بڑی بے سروسامانی کے عالم میں گھر سے نکلے تھے ، نہ ان کے پاس مال و دولت تھی نہ کوئی جائداد و زمین ساری دولت اور جو کچھ زر ، زمین تھی اسے مکہ میں چھوڑ آئے تھے ، مدینہ پہونچنے پر زندگی گزارنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا، جن کی مکہ میں جائدادیں تھیں ، دولت کی بہتات تھی ، تجارت و زراعت میں جنکا ایک مقام تھا، اب وہ پائی پائی کیلئے ترس گئے تھے ، خدا کی پکار کو سنکر انھوں نے اپنی دولت پر لات ماردی ، زمین و جائداد سے منھ پھیر لیا تھا، اپنوں ہی کے مظالم سہتے سہتے آخر مجبور ہوکر انہیں پیارا وطن چھوڑنا پڑا تھا ، لیکن چونکہ ان کی نظر میں دنیاوی جاہ و جلال کی کوئی حیثیت نہیں تھی ، اسلئے انھوں نے ساری دنیا سے رشتہ توڑ کر اس ذات سے رشتہ جوڑا تھا، جس سے بڑھکر کوئی غمگسار نہیں ، جس سے زیادہ کوئی ہمدرد نہیں اور جس کی دوستی ساری دنیا کی دوستی سے بڑھکر ہے ، مدینہ پہونچنے پر جب مہاجرین کا کوئی ذریعۂ معاش اور زندگی گزارنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان وہ رشتۂ اخوت قائم کیا جو مواخات کے نام

معاشرہ کو فتنہ و فسادات سے پاک کیا جاتا ہے، غربت کی آگ میں جھلسنے والوں کی مالی مدد کی جاتی ہے، روزہ آسودہ حال اور فارغ البال طبقہ کو پریشان حال اور فاقہ زدوں کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتا ہے، ان کے دکھ درد اور غم کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے، حج کے موقع پر اسلامی اخوت، اتحاد و مساوات و بھائی چارگی کا ایک عظیم مرقع سامنے آتا ہے، جہاں پہونچکر محتاج و غنی سب ایک ہو جاتے ہیں صدقۂ فطر کی ادائیگی اس وجہ سے ہوتی ہے تاکہ وہ مفلوک الحال طبقہ جو غربت کیوجہ سے عید کا بندوبست نہیں کر پاتا، اسے عید کی خوشی میں برابر کا شریک کرنے کیلئے تعاون کیا جائے۔

باہمی تعاون کو فروغ دینے کیلئے اسلام نے ہر انسانی فرد کو کچھ ذمہ داری اور حقوق سونپے ہیں، والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق شوہر و بیوی اور پڑسیوں رشتہ داروں اور قبیلوں، خاندانوں کے حقوق، یہ وہ حقوق ہیں جنکی ادائیگی سے ایک اچھے سماج کو وجود ملتا ہے، ایسا سماج جو سارے عالم انسانیت کو امن داماں کا گہوارہ بنادے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

سے مشہور ہے، انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کا بھرپور تعاون کیا، ان کیساتھ اخوت و بھائی چارگی کا وہ مظاہرہ کیا جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے انصار نے رشتۂ مواخات کو جسطرح بنھایا، وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، انصار نے مہاجرین کی ہر طرح مدد کی، انہیں اپنی زمین، جائداد، مال و دولت میں حصہ دار بنایا، انہیں ترقی کے مواقع فراہم کئے۔

مدینہ کے انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور کہتے تھے، اے اللہ کے رسولؐ! یہ ہماری دولت ہے، یہ زمین و جائداد ہے، آپ اسے ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے، آنحضورؐ کو انصار کا یہ ایثار، یہ باہمی تعاون اس قدر پسند آیا کہ آپ نے جگہ جگہ انصار کی تعریف فرمائی۔

لولا الھجرۃ لکنت امرءً من الانصار (بخاری) "اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کے خاندان کا ایک فرد ہوتا"

ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت اور ان سے عداوت کو نفاق سے تعبیر کیا ہے،

اسلام نے اپنے ماننے والوں کے سامنے عبادات کے جو طریقے پیش کئے وہ بھی باہمی تعاون اور اتحاد کی مکمل تصویر ہیں، نماز یکجہتی اور اخوت کی ایک زندہ و تابندہ علامت ہے، زکوٰۃ کے ذریعہ غریب اور کمزور طبقہ کی مدد کر کے انسانی

اِسلامی عدل وانصاف

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ الامین
هادی البشیریہ الیٰ نور الحق وضیاء الیقین ومنقذ الانسانیۃ من
براثن الشرک والضلال المبین امابعد فقد قال اللّٰہ تعالیٰ فی القرآن
الکریم اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیمؕ واذا
حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ط (سورہ نساء)

صدر محترم! حاضرین جلسہ!

آج میں آپ حضرات کے سامنے اسلامی عدل وانصاف کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام نے عدل وانصاف قائم کرنے پر کس قدر زور دیا ہے، آج کے دور میں سماجی عدل وانصاف اور مساوات پر بڑے وسیع پیمانے پر بحث جاری ہے ہر ملک اور ہر قوم اس بات کی دعویدار ہیکہ وہ سماجی انصاف قائم رکھنے میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہی ہے، آیئے

آج کی مجلس میں یہ جائزہ لیا جائے کہ اسلام میں عدل وانصاف کا کیا مقام ہے... ؟
اور اسلامی تعلیمات اس سلسلے میں کیا ہیں .... ؟

قرآن شریف میں عدل وانصاف کو تقوی کے زیادہ قریب بنایا گیا ہے قرآن مجید میں ہے ۔

اعدلوا ھوا قرب للتقویٰ (مائدہ) "عدل اختیار کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسانِ (نحل) "بیشک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے ۔"

خطبہ میں میں نے جو آیت کریمہ پڑھی ہے اسکا بھی مطلب یہی ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو، تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ عدل وانصاف کو قائم رکھا، وہ اپنی ذاتی منفعت اور نجی مفاد کی خاطر عدل وانصاف سے ذرا بھی نہ ہٹے، انصاف کے معاملے میں انہوں نے اپنوں اور غیروں، رشتہ داروں وپرایوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا، کوئی فرق نہیں کیا، عدل وانصاف کے تقاضے پورے کئے، حق کو حقدار تک پہونچا کر دم لیا ۔

ایک بار قبیلۂ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، شریعت میں چوری کی

سزا ہاتھ کاٹنا ہے، چونکہ وہ عورت بڑے گھر کی تھی، اسلئے کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے کہا کہ وہ حضور سے سفارش کر دیں کہ اس عورت کی سزا معاف کر دی جائے، یا اس کیلئے کوئی ہلکی سزا تجویز کی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بیحد غضبناک ہوئے، آپؐ نے فرمایا، تم سے پہلی قومیں اسی لئے برباد ہو گئیں کہ جب ان میں کوئی بڑا جرم کرتا تھا تو چھوڑ دیا جاتا تھا، اور کوئی غریب جرم کرتا تھا، تو اس کو سزا دی جاتی تھی، خدا قسم اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرے گی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دوں گا، اور شرعی قانون کے سلسلے میں اس کی کوئی پروا نہیں کی جائیگی کہ وہ نبی کی بیٹی ہے"

عہد رسالت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک منافق جو بظاہر مسلمان تھا اور ایک یہودی ایک معاملہ فیصل کرانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، معاملہ یہ تھا کہ یہودی کا آٹا چوری ہو گیا تھا، منافق نے چوری کی تھی حضورؐ نے مقدمہ کا فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرمایا، اور منافق کو آٹا یا اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، آپؐ نے انصاف کے معاملہ میں اسکی ذرا بھی پروا نہیں کی کہ فریقین میں سے ایک مسلمان ہونے کا دعویدار ہے۔

صحابۂ کرام نے بھی مکمل طور سے اسلامی عدل وانصاف کی جھلکیاں اپنی زندگیوں میں پیش کیں، کہیں پر بھی عدل وانصاف کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، اسلام نے عدل ومساوات کی تعلیم دی ہے، ذات وبرداری کی تفریق ختم کر کے ہر معاملہ

میں بغیر کسی جاہ ومنصب کی رعایت کئے ہوئے بے لاگ فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ کسی جرم کے سلسلے میں جو سزا کسی غریب گھرانے کے مجرم کو ہوگی، اسی سزا کا سزاوار وہ مجرم بھی ہوگا جو کسی عالی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، جاہ ومنصب، عزت و امارت انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، اسلام کی نگاہ میں سب برابر ہیں، کسی کے حقوق کی پامالی نہیں ہوگی، وجاہت وریاست کا کوئی اثر اسلامی عدالت پر نہیں پڑے گا، اسلام نے عدل کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق روا نہیں رکھی۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جبلہ جو ایک شہزادہ تھا اور نیا نیا مسلمان ہوا تھا، دوران طواف کسی اعرابی کے پاؤں کے نیچے اس کی چادر دب گئی اس نے غصہ میں اعرابی کو چانٹا مار دیا، حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ پہونچا، آپ نے اعرابی کو حکم دیا کہ بدلے میں وہ بھی جبلہ کو ویسا ہی چانٹا مارے، جبلہ شہزادہ تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ کہاں میں اور کہاں یہ غریب اعرابی ...؟ مگر حضرت عمرؓ کا فیصلہ بے لاگ تھا، انصاف کے معاملہ میں غربت وامارت کی تفریق کیا ....؟

حضرت عمرؓ فاروق ایک بار حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں گئے، انہوں نے تعظیماً حضرت عمرؓ کیلئے کرسی پیش کی، حضرت عمرؓ نے ناراض ہو کر فرمایا، تم عدل وانصاف کیسے قائم رکھ سکو گے جبکہ تم لوگوں کے مقدمات کے درمیان جاہ وحشمت کا اس قدر خیال رکھو گے۔

اسلام نے عدل وانصاف کو بڑی اہمیت دی ہے، اسلام نے بلاتفریق ہر انسانی فرد کے ساتھ انصاف قائم رکھنے پر زور دیا ہے، عدل کے معاملے میں اسلام کا رویہ ساری دنیا کیلئے ایک بہترین اسوہ ہے جو انسانوں کو عدل وانصاف کی راہ پر قدم آگے بڑھانے اور انصاف کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تعلیم دیتا ہے، مختلف ازم، مختلف نظریات دنیا کے اندر آئے اور چلے گئے مختلف قوانین واصلاحات وجود میں آئیں اور ختم ہوگئیں، مگر کوئی عدل کا وہ معیار قائم نہ کرسکا جو اسلام نے پیش کیا، اسلام کا معیار انصاف بے مثال و بے نظیر ہے، اس کے ذریعہ ہر دادخواہ کی دادرسی، اور ہر فریادرس کی فریادرسی بدرجۂ اتم ہوجاتی ہے۔

آج کے دور میں انصاف کا جو خون ہو رہا ہے، اور انسانیت انصاف کو پکار رہی ہے، جرائم اور دیگر تمام معاملات میں جو ناانصافی کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس کے خاتمہ کے لیئے کوئی تدبیر اسلامی طریقۂ عدل وانصاف سے زیادہ مؤثر اور کارگر نہیں ہوسکتی۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یومِ آزادی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پر سوز و طربناک

محترم بزرگو اور دوستو!

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ہم اپنے ملک کا یوم آزادی منا رہے ہیں، آزادی بڑی نعمت ہے، اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ انہیں کو ہوسکتا ہے جو کبھی غلام رہ چکے ہوں، یا آزادی کی زندگی کھو چکے ہوں، لیکن آزادی کی نعمت کا صحیح لطف اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے، جب کہ وہ مقاصد بھی پورے ہو رہے ہوں جو ملک کی فلاح و بہبود کے واسطے لائحہ عمل کے طور پر متعین کئے گئے تھے، اگر کہیں پر ایسا ہو کہ آزادی کے اغراض و مقاصد پس پشت ڈال کر آزادی کا دن منایا جا رہا ہو، اور اس کی آمد پر خوشی و مسرت کیف و سرور کا اہتمام کیا جا رہا ہو، تو ہم بجا طور سے یہ کہہ سکتے ہیں اور کہیں گے کہ یہ خوشی ادھوری اور یہ مسرت ناتمام ہے، محترم حضرات! بحیثیت ایک مسلمان

"یوم آزادی" ہمارے نزدیک دو پہلوؤں کا حامل ہے، ایک پہلو اس کا وہ ہے جو عام لوگوں یعنی ہندوستان کے سبھی فرقوں، گروہوں اور مذہب کے ماننے والوں کیلئے دوسرا پہلو خاص طور سے اسلامی اعتبار سے ہے، آج پندرہ اگست یعنی یوم آزادی کے موقع پر بہتر ہے کہ اس کے دونوں رُخوں اور دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور دونوں کے متعلق گفتگو کی جائے، جہاں تک مسلمانوں سے متعلق پہلو کا سوال ہے اس کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک یہ کہ اسلام میں آزادی کا کیا مقام ہے؟ دوم یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں کیا حصہ لیا۔؟ اس کیلئے کیا قربانیاں دیں، یوم آزادی کا عام پہلو جو سب سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ آزادی کے اغراض ومقاصد پورے ہو رہے ہیں یا نہیں ؛

اسلام میں آزادی کا کیا مقام ہے؟ اور اسلام آزادی کی زندگی کو غلامی پر کس قدر ترجیح دیتا ہے؟ اس کے جاننے کیلئے فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے جس میں اس موضوع سے متعلق مستقل ابواب قائم کئے گئے ہیں، میں یہاں ان تمام باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا، البتہ مختصراً اور اجمالی طور سے یہ بتانے کی کوشش ضرور کروں گا کہ اسلام میں آزادی کو کیا درجہ حاصل ہے۔

اسلام کے نزدیک اصلاً ہر انسان آزاد ہے، یعنی بنیادی طور سے اسلام ہر انسان کو آزاد تسلیم کرتا ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام جن سے انسانوں کی یہ ساری نسل وجود میں آئی، وہ آزاد پیدا ہوئے تھے غلامانہ زندگی

اسلام کے نزدیک اوپر سے لادی ہوئی اور الگ سے عارض کی ہوئی زندگی ہے، اس عارضی ورر کاوٹ کو دور کردینے کیلئے اسلام واضح ہدایات دیتا ہے، اسلام یہ ترغیب دیتا ہے کہ جس کے پاس غلام ہوں وہ انہیں آزاد کردے، اوراس حکم پر عمل کرنے والا اسلامی تعلیمات کے مطابق خدائے تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے، اسلام لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اوران کے حقوق اداکرنے کی تلقین کرتا ہے، آزادی کا پہلو اسلام میں اس قدر جاندار ہیکہ اگر کوئی ہنسی ہنسی یا مذاق میں بھی اپنے غلام کو آزاد کرے، تو اس کا مذاق بھی اسلام کے نزدیک حقیقت پر محمول کیاجائے گا، اور غلام آزاد ہوجائیگا، اگر کوئی شراب کی ترنگ میں آکر اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کا بھی اعتبار کیاجائیگا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقت تو حقیقت ہے ہی ان کا مذاق بھی حقیقت پر محمول کیا جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین چیزوں میں اس کو بھی شمار کرایا ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام یا لونڈی کو مذاق کے طور پر آزاد کردے۔

اسلام غلامی زندگی گزارنے والوں کو آزادی کی دولت سے کس طرح نوازتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگتا ہے کہ کفارہ میں وہ خواہ روزے کا ہو یا ایلاء، واظہار وقتل خطا کا، یا کسی اور چیز کے نتیجہ میں کفارہ لازم آرہا ہو، سبھی میں کسی نہ کسی حد پر پہونچکر غلاموں اور باندیوں کی آزادی کا مرحلہ ضرور آتا ہے، اسلام نے

انسانی زندگی کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کرنے پر کس قدر اہمیت دی ہے؟ اور کیا تعلیمات پیش کی ہیں، اس کا پورا پورا اندازہ لگانے کیلئے اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

یوم آزادی کا ایک خاص پہلو جو مسلمانوں سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کو غلامانہ زندگی سے نکال کر آزادی کی زندگی عطا کرنے میں ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا رول رہا، انہوں نے اس سلسلے میں کیا کارنامے انجام دیئے، آزادئ ہند کی جنگ میں ان کی کیا خدمات ہیں یہ بات بلا جھجھک کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑا سرگرم حصہ لیا ہے، بہت قربانیاں دیں جان و مال ہر طرح سے تج دے کر ملک کو آزاد کرانے کیلئے تن من دھن لگا دیا۔ آزادئ وطن کی خاطر جان پر کھیل گئے، جیلوں کی ہوا کھائی انگریزوں کے مظالم سہے آزادئ ہند کی خاطر دار و رسن کو دیوانہ وار چوما، سولی اور پھانسی کے پھندے ان کے حوصلوں کو پست نہ کر سکے، ان کے ولولے انگریزوں کے پیہم مظالم سے سرد ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتے رہے انگریزوں کا جور و استبداد، جیل در قید و بند کی کس مپرسی کی زندگی، پھانسی کے پھندے، جلاوطنی کی زندگی ان کے جذبۂ حریت پر پٹرول کا کام کرتے تھے انگریز ان آزادی کے متوالوں کے جسم پر قابو پا سکتے تھے، مگر ان کی روحیں ان کی دسترس سے باہر تھیں، وہ ان کے دل و دماغ تک کیسے رسائی حاصل

کر سکتے تھے، جہاں وطن پر مر مٹنے اور وطن کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلانے کیلئے جذبات موجزن تھے، وہ ان حوصلوں ولولوں کو کیسے چھین سکتے تھے جو عقل و ہوش کی منزل سے پرے اپنا مقام بنا چکے تھے۔

انگریزوں کے ناپاک قدم جب ہندوستان میں آئے، اور انہوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں، اسی وقت سے مسلمان ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں شامل ہو گئے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ آزادی کی قیادت ان علماء نے کی جو ایک طرف رات کی تاریکیوں میں زاہد شب بیدار تھے تو دوسری طرف دن کے اجالے میں غازی اور مجاہد اسلام، شاملی کا میدان ہو یا ریشمی رومال" تحریک پلاسی کی جنگ ہو یا سرنگاپٹم کی وادیاں یا تحریک حریت کا کوئی اور علاقہ، ہر جگہ مسلمان حریت پسندوں کے عظیم الشان کارنامے تاریخ کے صفحات کا ایک سنہرا عنوان ہیں، اسیر مالٹا حضرت شیخ الہندؒ کی "ریشمی رومال" تحریک مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، جہاد آزادی کے یہ وہ روشن جو آسمان جہد آزادی پر ہمیشہ چمکتے و مکتے رہیں گے، ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے خونِ جگر سے اس گلشنِ ہند کو سنوارا ہے، گلستانِ ہند کے پتے پتے پر مسلمانوں کے روشن کارنامے درج ہیں۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے ؛ جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

محترم حضرات! "یومِ آزادی" کا دوسرا پہلو جو میں نے بتایا تھا وہ عام

ہندوستانیوں سے متعلق ہے، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلم، سکھ ہو یا عیسائی، یا کسی اور مذہب کا ماننے والا ہندوستانی ہو، حقیقت یہ ہے کہ "یوم آزادی" ہمارے لئے "یوم احتساب" ہے، آج کے دن ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہمارے بڑوں نے آزادی کی جنگ لڑنے کیلئے جو خواب دیکھا تھا، وہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں، یہ بات تو بہر حال غلط ہے کہ ہمارے ملک نے اپنے مستقبل کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی، اور مستقبل کے متعلق مجاہدین آزادی نے جو خواب دیکھے تھے، وہ ادھورے رہ گئے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم کو عروج وترقی کی کسی منزل کو آخری منزل نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے کامیابیوں اور کامرانیوں کی نئی وسعتیں تلاش کرتے رہنا چاہئے، جس طرح آزادئ وطن کی تحریک میں ہندو مسلم سبھی نے برابر کا حصہ لیا، سبھی نے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر آزادی کی جنگ لڑی، اسی طرح آج کے پیش آمدہ مسائل کو بھی اتحاد و یکجہتی کی انہیں روشن مثالوں سے اپنے سینوں کو منور کرکے حل کیا جاسکتا ہے آج کی جنگ جیتنے کیلئے بھی ہمیں اسی اتحاد کی ضرورت ہے۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

رہ جہاد میں ذکرِ شکست کیا معنی ؛ مآل مردِ مجاہد شہید یا غازی

مطالعہ روح کی غذا

تعلیم کے ذرائع عموماً مدارس وراسکول ہوتے ہیں، انہیں سے پڑھ کر بڑے بڑے عالم، فلسفی، ڈاکٹر اور انجینیر تیار ہوتے ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں نے چونکہ بڑے مدرسہ یا بڑے اسکول میں تعلیم پائی ہے اس لئے وہ بڑا عالم یا بڑا ڈاکٹر ہے، صحیح بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے، آدمی بڑا عالم یا زیادہ پڑھا لکھا اس سے نہیں ہوتا کہ اس نے کسی بڑے مدرسے واسکول میں تعلیم پائی ہے، اگر ایسا ہوتا تو ایک ہی مدرسہ واسکول کے تعلیم یافتہ لوگوں میں علم کی کمی وزیادتی کا یہ فرق ہم نہ دیکھتے جو روزانہ کا تجربہ ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ بڑے مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہونے کا اس کی ذھنی صلاحیت پر اثر ضرور پڑتا ہے۔

بڑوں کی عظمت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے مدرسوں واسکولوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ برابر مطالعہ اور انتھک کوششوں سے انہوں نے اپنے علم کو وسیع کیا، اپنی معلومات کو بڑھایا، اسکولوں ودر مدرسوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے، وہ تعلیم کی انتہا نہیں ہوتی، اسے تعلیم کی ابتدا کہنا چاہئے، وہ آگے

ترقی کا زینہ ہوتی ہے، وہ راستہ بتاتی ہے کہ اب تم خود اپنی محنت سے آگے بڑھو، اور تمہارا طریقہ اس سلسلے میں یہ ہونا چاہئیے، چونکہ بڑے لوگوں نے اس راز کو جانا، اسی لئے انہوں نے اپنی رسمی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کبھی بھی اپنی تعلیم کو ختم نہیں سمجھتا، وہ برابر مطالعہ سے اپنے علم کو جلا بخشتے رہے، بڑھاتے رہے، اپنے آپ کو ساری عمر طالب علم سمجھنے پر فخر محسوس کرتے رہے، مدرسہ واسکول کی تعلیم اگر تعلیم کی انتہا ہوتی، تو آج دنیا میں مختلف موضوعات دفنون پر یہ ساری کتابیں وجود میں نہ آتیں یہ مطالعہ ہی کی برکت ہے کہ جس سے انسان کے علم اور جانکاری میں اضافہ ہوتا ہے اس کی معلومات بڑھتی ہیں، اور وہ اس قدر ترقی کرتا جارہا ہے، مدرسہ کے نصاب تعلیم کے علاوہ خارجی مطالعہ بہت اھمیت رکھتا ہے، گزشتہ دور میں بھی اس کی اھمیت مسلم تھی اور آج بھی اسکی اھمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

انسان کے ذہن کو ابتداءً ایک ٹیپ ریکارڈ سمجھنا چاہئیے جسمیں سے وہی نکلتا ہے جو اس میں بھرا جائے، مگر بعد میں دونوں میں اسطرح فرق ہوجاتا ہے کہ ٹیپ ریکارڈ میں ہمیشہ وہی آوازیں اور چیزیں نکلتی رہیں گی، جو اس میں بھری گئی ہوں گی، مگر ذہن ان سب چیزوں کو جذب کرکے ان میں وسعت پیدا کرتا ہے سوئی صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے، غور دفکر کی عادت ڈالتا ہے اور جب کوئی شخص کچھ بولتا ہے تو صرف وہی نکلتا ہے جو اس نے پڑھا، یا سنا ہے، بلکہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو خاص اس کی سمجھ اور ذہن کی پیداوار ہوتی ہے، اس کی

خالص سوچ اور غور و فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں

آج دنیا کے اندر مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں ورسالے موجود ہیں اور روزانہ کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، آج کے دور میں مطالعہ کا ذوق بڑھ رہا ہی مطالعہ ہمارے لئے ایک اچھی ذہنی تفریح کا سامان فراہم کرتا ہے، ساتھ ہی ہمارے علم میں اضافہ اور جلا بھی پیدا کرتا ہے۔

کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ "مطالعہ روح کی غذا ہے" اس میں شک نہیں کہ بات بالکل صحیح ہے، اس سے بھلا کسے انکار ہو سکتا ہے لیکن اس غذا کے انتخاب کے سلسلے میں بڑی ہوشیاری اور ذہانت کی ضرورت ہے، جس طرح جسمانی صحت کیلئے خراب اور غلط غذا مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، اسی طریقے سے روح کی غذا کے منتخب کرنے میں بھی یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ہم نے جو غذا اپنے لئے منتخب کی ہے اس میں صحتمند اجزاء پائے جاتے ہیں، یا وہ اپنے دامن میں خراب اور زہریلے اثرات رکھتی ہے، یہ انتخاب کوئی معمولی چیز نہیں ہے، روحانی غذا کے صحیح انتخاب پر ہی مستقبل کی تعمیر و ترقی کا انحصار ہے، روح کی غذا کا غلط انتخاب انسانی ذہن کو بالکل اسی طرح غلط راہ پر ڈال دیتا ہے جس طرح جسم کیلئے غلط اور خراب غذا کا استعمال بیماری اور امراض کو دعوت دیتا ہے اس لئے اپنی روح کی صحتمند غذا حاصل کرنے میں بھی بڑی دور اندیشی، سمجھ بوجھ اور ہوشیاری کی ضرورت ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک کا غلط انتخاب انسان کے جسم

کو بیمار بنا تا ہے اور دوسرے کا غلط انتخاب روح وضمیر کی بیماری کا سبب بنتا ہے۔
مطالعہ کن کتابوں اور رسالوں کا کیا جائے ؟ یہ ایک بڑا اہم سوال ہے اور اس کا جواب اگر مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں ہے، ہمارے سامنے دنیا بھر کے موضوعات پر بے شمار کتابیں موجود ہیں، ان گنت رسالے، ماہنامے، اخبارات وجرائد نکل رہے ہیں، یہ بات بہرحال نہیں کہی جا سکتی کہ آج کل جس قدر کتابیں پائی جاتی ہیں اور جتنے اخبار ورسائل نکل رہے ہیں، سب کا مطالعہ سودمند ثابت ہوگا، کیونکہ ایسا کہنا دن کی روشنی میں حقیقت کو جھٹلانا قرار دیا جائے گا، سچی بات تو یہ ہے کہ آج کل ایسی کتابیں اور رسالے زیادہ نظر آئیں گے، جن سے انسان کی روح کو خراب غذا ملتی ہے، جو انسان کے اخلاق کو بگاڑتے ہیں، انہیں تخریب کاری اور غلط راہ پر لگاتے ہیں، اسلئے مطالعہ کے سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوگا کہ کن کتابوں کا مطالعہ کیا جائے کن رسالوں اور ماہناموں سے ہمارے ذہن و روح کو اچھی غذا ملتی ہے۔
بچوں کو چاہئے کہ وہ کسی کتاب یا رسالہ کا مطالعہ کرنے سے پہلے اپنے اساتذہ ووالدین سے مشورہ ضرور کرلیں کہ ان کا مطالعہ ان کیلئے مفید ہے یا نہیں، اس سلسلے میں اپنی پسند کو مؤخر اور اپنے بڑوں کی رایوں، مشوروں کو مقدم رکھیں بہت سے ایسے موقعے آئیں گے، جبکہ ان کے بڑوں کے مشورے، انکی طبیعت کے خلاف ہوں گے، وہ انہیں پسند نہیں آئیں گے، اس پر ان کی طبیعت جھلائیگی بھی اور

غصہ بھی آئیگا، لیکن ایسے موقعوں پر اپنے اوپر جبر کر کے بڑوں کی رایوں پر عمل کرنا بہت سود مند ثابت ہوگا، آئندہ یقیناً اس کے فائدے نظر آئیں گے۔

آج کل عام طور سے بازار میں جو کتابیں اور پرچے بک اسٹالوں پر ملتے ہیں ان میں اکثر فحش ناول، اخلاق کو بگاڑنے والے افسانے اور فلمی رسالے ہوتے ہیں جو بچوں کے کچے ذہن کیلئے بڑے خطرناک ہوتے ہیں، اگر ان کے مطالعہ سے بچوں کو شروع ہی میں نہ روکا گیا تو بچے کے سدھرنے کے امکانات کم اور بگڑنے کے زیادہ ہو جاتے ہیں، اکثر ایسا ہوا ہے کہ بچے بازار کے گندے لٹریچر اور کتابوں کو پڑھ پڑھ کر یوں بگڑے کہ اپنے بڑوں کیلئے دردِ سر بن گئے لاکھ تدبیروں کے باوجود ان کے اخلاق و کردار کو سدھارا نہ جاسکا، اور انہیں غلط روی سے بچانے کی تدبیریں کامیاب نہ ہو سکیں۔

مطالعہ کیلئے ہمارے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے، تو اسکا بڑا فائدہ ہوگا، کتابوں و رسالوں کے مطالعہ کے سلسلے میں یہ ہونا چاہئے کہ جس درجہ کا طالب ہو، اسی کے معیار کے مطابق پورے سال کے مطالعہ کی کتابوں کا ایک چارٹ اپنے استاذ یا اپنے بڑے سے بنوا لیا جائے کہ ہر اچھے چارٹ میں خاص طور سے اس بات کا دھیان رکھا جائے کہ ہر ہر اچھے موضوع پر بہترین کتابیں آجائیں، مثلاً کچھ کتاب سیرت پر ہوں، کچھ صحابہ کرام کے حالات سے متعلق ہوں، کچھ سلف صالحین کے احوال پر مشتمل ہوں، اس

کے علاوہ تاریخ اسلام تاریخ ہند، عام معلومات، دینیات، ادبیات پر بھی کچھ کتابیں ہوں، کتابوں کے مطالعہ کے سلسلے میں ترتیب بھی معیار کے مطابق رکھی جائے، مثلاً سیرت نبویؐ پر "نور محمدیؐ" کا مطالعہ پہلے کیا جائے اس کے بعد "رحمت عالمؐ" کا، دیگر موضوعات سے متعلق کتابوں کے سلسلے میں بھی یہی کرنا چاہئے، کہ پہلے کم معیار، پھر اس سے اونچے معیار کی کتابیں مطالعہ کیلئے منتخب کی جائیں، چارٹ ایسا ہو کہ پورے سال اسی چارٹ کے مطابق مطالعہ کیا جائے، اسکا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ مطالعہ کیلئے روز روز انتخاب کے جھنجھٹ سے نجات مل جائے گی، اور چونکہ مختلف موضوعات پر کتابیں ہوں گی اسلئے ان سے معلومات میں وسعت پیدا ہوگی، اسکا احساس مطالعہ کے وقت شاید نہ ہوسکے مگر کبھی ضرورت پڑنے پر فوائد معلوم ہونگے،

کتابوں کیلئے بعد رسالوں اور اخباروں کا نمبر آتا ہے، اس سلسلے میں بھی اپنے بڑوں کے مشوروں سے اچھے دینی، اخلاقی و تہذیبی رسالوں کو منتخب کرنا چاہئے۔

اس قسم کا چارٹ بہتر تو یہ ہے کہ بڑے ہی تیار کر کے دیں، لیکن اگر کوئی طالب علم خود تیار کرنا چاہے، تو اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اساتذہ اور بڑوں کو دکھادے وہ اچھے اور بھلے کو پیش نظر رکھ کے اس میں مناسب ترمیم و تبدیلی کر دیں، یا جوں کا توں برقرار رکھیں، انتخاب میں طالب علم کے معیار تعلیم کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اگر درجۂ پنجم کے طالب علم کے مطالعہ کیلئے "سیرت النبی" اور "سیرت خلفائے راشدین" جیسی کتابیں چارٹ میں لکھ دی گئیں، اور برہان و معارف جیسے معیاری رسائل

منتخب کئے گئے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھی طرح سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے مطالعہ میں اسکا دل نہ لگے گا، ایک طرح سے مطالعہ سے نفرت اور بیزاری پیدا ہو جائے گی، اسلئے تعلیمی معیار کی رعایت لابدی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ایک کام اگر اور کیا جائے تو اس کی افادیت بڑھ جائے گی، وہ یہ کہ جو کتابیں آپنے اپنے مطالعہ کیلئے منتخب کی ہیں، ان میں سے کسی اور پسندیدہ مضمون کو زبانی یاد کرلیں، اور اسے اپنے تقریری پروگرام میں پیش کریں اسی طرح پڑھے ہوئے مضمون کو اپنی زبان میں لکھنے کی کوشش کریں اسکے دو فائدے ہونگے، ایک تو یہ کہ تقریر کرنا آجائیگا، ابتداءً تقریر ایسے ہی سیکھی جاتی ہے دوم یہ کہ مضمون نویسی بھی آپ سیکھ جائیں گے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ان کتابوں کا مطالعہ ضرور کیجئے

زلزلہ در زلزلہ (مجلد)

ایک قبوری مولوی نے "زلزلہ" نامی کتاب لکھ کر علمائے دیوبند کے دامن کو داغدار کرنا چاہا تھا۔ نجم الدین احیائی (فاضل دیوبند) نے "زلزلہ در زلزلہ" لکھ کر الزامات کی قلعی کھول دی، اور ایسا مدلل ودندان شکن جواب دیا کہ دنیائے رضاخانیت میں خود زلزلہ آگیا، اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ختم کے قریب ہے۔

کتابت وطباعت معیاری — قیمت ۱۰ روپیہ

تبلیغی وتعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں

ہمارے اسلاف کی بے مثال تبلیغی وتعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں آپ جاننا چاہتے ہوں تو مشہور محقق مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کی یہ کتاب ضرور پڑھیں — قیمت -/۵/۲

اسلام اور عہد حاضر (مجلد)

از مولانا جمیل احمد نذیری فاضل دیوبند کیا دور جدید نے مذہب کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے؟! کیا مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ ہے؟! یہ سب جاننے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔

اعلیٰ کتابت وطباعت. خوبصورت سرورق — قیمت -/۱۰

تکفیر کے پردے میں

از قلم نجم الدین احیائی، علماء دیوبند کی تکفیر کا اصل مقصد کیا تھا؟ کیا واقعی انہوں نے غلط بات لکھدی تھی،؟ ان سوالوں کے جوابات کے

ساتھ ساتھ قبوری فرقہ کی حقیقت جاننے کیلئے یہ کتاب ضرور پڑھیں۔
کتابت وطباعت معیاری۔ قیمت ۸/-

تقویۃ الایمان حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مشہور زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کا معیاری مگر سستا ایڈیشن آج ہی خریدیئے۔ قیمت ۴/۰۰

امت کیلئے لمحۂ فکریہ از مولانا جمیل احمد نذیری۔ نکاح، جہیز، ولیمہ رسم رواج اور نحوست وبدفالی کے متعلق اسلامی تعلیمات کا خلاصہ، امت مسلمہ کو دعوتِ فکر وعمل، یہ کتابچہ ملت کے ہر فرد کے پاس رہنا چاہئے۔ قیمت ۲/۲۵

دیگر کتابیں

فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان	آپ تقریر کیسے کریں دوم
خلفاء ثلاثہ	بادۂ وحدت (نعتیہ مجموعہ)
نور ہدایت (نعتیہ مجموعہ)	گلدستہ نعت 〃
دولت اور غربت اسلام کی نظر میں	مسلمان کیا کریں؟
معجزات وکرامات	رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ (مجلد)
محمد بن عبدالوہابؒ	آپ تقریر کیسے کریں سوم
ایک عالمی تاریخ	مسئلہ ایصال ثواب
آپ تقریر کیسے کریں اول	حرارتیں (غزلیات)

تقریروں کا گلدستہ

آپ تقریر کیسے کریں؟ (حصہ اول)
آپ تقریر کیسے کریں؟ (حصہ دوم)
آپ تقریر کیسے کریں؟ (حصہ سوم)
اصلاحی تقریریں (حصہ اول)
اصلاحی تقریریں (حصہ دوم)
آہنگ انقلاب
تحفۂ مقررین
خطبات احسان
خطبات ظہیر
اصلاح اللسان
سحر البیان
سحر الکلام
سحر اللسان
حیرۃ الفقہ
تقریر کیسے کریں
جدید معیاری تقریریں ج ۱
جدید معیاری تقریریں ج ۲
جدید معیاری تقریریں ج ۳
جدید معیاری تقریریں ج ۴
شاہکار تقریریں
انقلاب آفریں تقریریں
تقریر سیکھئے ج ۱
تقریر سیکھئے ج ۲

حیات آفریں تقریریں
زمزمہ انقلاب تقریریں
صدائے حق
تقریر فن خطابت
تقریر کیجئے
مجاہد کی للکار
تبلیغی تقریریں
پہلی تقریر تیسیر ج ۱
پہلی تقریر تیسیر ج ۲
مقبول تقریریں
نظام خطابت
رہنمائے نظامت وخطابت
طریقۂ نظامت وخطابت
بصیرت افروز تقریریں
تقریر ایسے کیجئے
شاندار تقریریں
اچھی تقریریں
روح پرور تقریریں
تقاریر مولانا آزاد
اصلاحی خطبات (۱۰ رجلدوں میں)
نثری تقریریں
حقانی تقریریں۔
تقاریر رمضان وعیدین